25 تقاریر

بابت

اہلِ بیتِ رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

11

حنیف احمد محمود

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى
اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

25 تقاریر

بابت

اہلِ بیتِ رسولؐ

اور

اُن کا مقام و مرتبہ

11

حنیف احمد محمود

رابطہ کرنے کے لیے

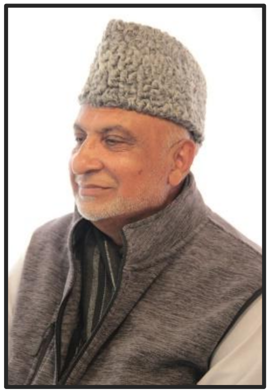

ای میل ایڈریس: hanifahmadmahmood@hotmail.com

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

۞۞۞۞

مقدمہ

(بابت کتاب اہلِ بیتِ رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ)

کہتے ہیں کہ جب کسی اپنے پیارے سے محبت ہوتی ہے تو اس کی شخصیت تو اچھی لگنے ہی لگتی ہے۔ اُس کی ہر ادا، اُس کی ہر حرکت و سکنات، اُس کے ہر قول و عمل اور ہر وہ چیز پیاری لگتی ہے جو اُس پیارے کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ شعراء تو مجازی طور پر اپنے محبوب کے نقش و نگار کے قصیدے پڑھنے لگ جاتے ہیں لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کے تحت جہاں روحانی محبوب پیارا لگتا ہے اُس کی اولاد، اُس کے عزیز و اقارب اور اُس کے دوست احباب بھی پیاروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ہم احمدی مسلمانوں کے لیے بنی نوعِ انسان میں سب سے پیاری اور قابل احترام ہستی ہمارے ہادی و مقتدیٰ، پیشوا اور رہنما سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جن کا نام لبوں پر آتے یا کانوں کو چھوتے ہی حکم الٰہی کی تعمیل میں زبان سے درود و سلام جاری ہوتا ہے۔ یہی وہ مبارک ہستی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کہا (حدیثِ قدسی ہے) ''لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاك''۔ یہ وہی مقدس ہستی ہے جس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے '' كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن'' کی گواہی دی۔ قرآن کریم میں آپؐ کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کی بیعت کہا گیا (الفتح: 11)۔ آپؐ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت قرار دی گئی (النساء: 81)۔ آپؐ کا فعل خدا کا فعل قرار پایا (الانفال: 18) اور آپؐ کا آنا گویا خدا تعالیٰ کا آنا تھا (ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 920)۔ یہی وہ پاک ہستی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 32) کہ اے محمد! کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا۔

تاریخِ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ آپؐ کے صحابہؓ نے آپؐ کے ہر عمل و فعل اور سیرتِ طیبہ کے ہر پہلو کی پیروی کی اور اللہ کے پیارے اور دُلارے کہلائے۔ صحابہؓ آپؐ کو ظاہری طور پر بھی پڑھتے اور دیکھتے تھے

اور کوشش کرتے تھے کہ وہ بھی وہی کام کریں جو حضورؐ نے کیا یا اس کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت ابن عمرؓ ایک سفر کے دوران دیگر صحابہؓ سے الگ ہو کر ایک درخت کے نیچے ایسے رنگ میں بیٹھ گئے جیسے قضائے حاجت کر رہے ہوں حالانکہ آپؓ کو اس وقت قضائے حاجت کی ضرورت نہ تھی۔ کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ میرے آقا و مولیٰؐ ایک سفر کے دوران اس درخت کے نیچے قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تھے۔

اوپر بیان شدہ اصول کے مطابق صحابہ رضوان اللہ علیہم، آپؐ کی اولاد اور اہل بیت میں سے ہر فرد کو پسند کرتے، ان سے پیار کرتے اور عقیدت و احترام سے پیش آتے اور خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو اپنے اہل بیت سے محبت کرنے کی تلقین فرمائی اور سلیقے سکھلائے۔ جیسا کہ فرمایا:

اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ اپنے بچوں کو تین چیزیں سکھاؤ اول حُبِّ نَبِیِّکُمْ کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرو۔ دوم۔ حُبِّ اَھْلِ بَیْتِہٖ کہ اس کے اہل بیت سے محبت کرو اور سوم۔ قِرَاءَ ۃِ الْقُرْاٰنِ یعنی قرآن کریم پڑھا کرو۔

(سیوطی، الجامع الصغیر، 1 رقم 311)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت محبت تھی اور فرمایا جس نے میرے حسن اور حسین سے محبت کی، اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(سنن ابن ماجہ جلد اول، الرقم 143)

حضرت فاطمہؓ کو اپنی جان کا حصہ قرار دیا اور فرمایا جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔

(بخاری جلد سوم الرقم 3510)

پھر ایک مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کی محبت کو ایمانِ کامل سے مشروط قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہوتا یہاں تک کہ میں اُسے اُس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں اور میری اولاد اس کو اپنی جان سے زیادہ پیاری نہ ہو اور میرے اہل اس کو اپنے اہل سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

(شعب الایمان للبیہقی باب فی حب النبی فصل فی براء تہٖ فی النبوۃ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسینؓ کی یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطّہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہٗ استخفاف اُن کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ اُس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اُس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 545-546)

اسی طرح آپ علیہ السلام اپنے ایک فارسی شعر میں فرماتے ہیں:

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچۂ آل محمد است

یعنی میرا جان و دل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فدا ہے۔ میری خاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے کوچہ پر نثار ہے۔

خاکسار نے انہی مبارک ارشادات کو ملحوظِ خاطر رکھ کر اپنے ایمان کو کامل کرنے کے لیے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد کی فہرست تیار کروائی، مواد جمع کروایا اور مکرمہ عائشہ منصور چوہدری آف جرمنی نے بہت محنت، لگن اور ذاتی دلچسپی سے حُبِّ رسولؐ و حُبِّ اٰلِ رسولؐ کی خاطر اس مواد کو ترتیب دینے اور بعد میں کمپوز کرنے میں میری معاونت کی اور عزیزم زاہد محمود نے اِسے کتابی

شکل دی۔ عزیزم مکرم فضل عمر شاہد آف لٹویا نے اس اہم مضمون کی مناسبت سے دیدہ زیب خوبصورت ٹائٹل تیار کیا۔

"مشاہدات" کی ویب سائٹ کو آپریٹ کرنے والے عزیزم مکرم عامر محمود اور عزیزم مکرم سعید الدین احمد اگر بروقت تعاون نہ کرتے تو یہ روحانی، دینی، علمی اور اخلاقی مائدہ ہرگز ہرگز قارئین تک نہ پہنچتا۔ یہاں قارئین کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دنیا بھر میں پھیلے مشاہدات کے قارئین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل کی محبت میں ان تقاریر کو پڑھ کر دل میں اُتارتے رہے اور اس کا اظہار بھی گاہے بگاہے کرتے رہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرۃ وکان اللہ معھم وایدھم۔

مکرمہ ناصرہ احمد صاحبہ، کینیڈا نے 20 تقاریر بابت محرم الحرام کے متعلق لکھا:

"بہت مفید کاوش ہے۔ اللھم ذد فزد"

مکرم سعید احمد بھٹی صاحب نے تحریر فرمایا:

"اللہ پاک آپ کو اس عمل کی بہترین جزاء دے جو احباب جماعت کی آسانی کے لیے آپ ایسا بہترین مواد تیار کرتے ہیں جس سے احباب جماعت استفادہ کرتے ہیں۔"

مکرم عثمان مسعود جاوید صاحب، سویڈن سے تحریر فرمایا:

"حیرت انگیز طور پر بعض حوالہ جات میں ہمارا توارد ہو گیا ہے۔ اس توارد کا انکشاف محرم پر آپ کے پانچ مشاہدات پڑھ کر سامنے آیا ہے۔ خاکسار جو حوالے یہ ثابت کرنے کے لئے جمع کر رہا تھا کہ یزید ہی قاتلینِ حسین میں سے تھا۔ آپ کے حضرت امام حسین علیہ السلام سے متعلقہ مشاہدات میں کئی حوالے اِس امر پر گواہ ہیں۔ آپ کے مشاہدات سے اب یہی ثابت ہے کہ یزید ہی قاتل تھا...... آپ نے روزانہ کی بنیاد پر مشاہدات کا جو کام سرانجام دیا ہے یہ بھی عوام الناس کے لئے بہت نفع کا کام دے رہا ہے۔"

مکرم شیخ محمد ادریس صاحب نے بھارت سے لکھا:

”آپ بہت عمدہ معلومات پر مشتمل تقاریر فراہم کر رہے ہیں۔ خاص طور پر بعض ہمارے احمدی مسلمان بھائی اسلامی مہینے محرم کے حوالے سے ناواقف ہیں۔ یہ مہم بہت کارگر ثابت ہو رہی ہے۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اہل بیت صرف آنحضرت صلی اللہ ولیہ وسلم کی بیویاں ہی نہیں بلکہ آپؐ کے گھر میں رہنے والی ساری عورتیں بھی شامل ہیں۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 308)

محرم الحرام سے متعلق تقاریر کی تیاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیگمات اور اولاد کے متعلق تقاریر تیار ہونی شروع ہوئیں جو اب کتابی شکل میں ہدیہ قارئین ہے۔ ”مشاہدات“ کی یہ گیارہویں کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حقیر کوششوں کو قبول فرمائے اور اہلِ بیتِ رسولؐ سے محبت اور عقیدت بڑھانے کا موجب ہو۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خاکسار

حنیف احمد محمود۔ برطانیہ

(سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل آن لائن لندن)

12 جولائی 2024ء

تقاریر کے حوالے سے چند باتیں

1. خاکسار نے جو تقاریر تیار کیں وہ سات سے آٹھ منٹ دورانیہ کی ہیں اس میں نیت یہ تھی کہ جماعتی وذیلی تنظیموں کے تربیتی و تبلیغی اجلاسات میں پڑھی جاسکیں۔

2. جہاں تک مقابلہ جات کی تقاریر کا تعلق ہے ان میں ان تقاریر کو ذرا مختصر کرکے حسب پروگرام کی جاسکتی ہیں کیونکہ چھوٹی تحریر کو بڑا کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے جبکہ بڑی یا لمبی تحریر بآسانی مختصر کی جاسکتی ہے۔

3. بعض دوست جب کسی عنوان کے تحت تقریر کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کو وہ تقریر عنوان کی قدرے تبدیلی سے جب بھجوائی جاتی ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ وہ عنوان تو نہیں ہے جبکہ عنوان تبدیل کرکے اگر وہی تقریر کردی جائے تو وہ عین درست ہوتا ہے جیسے آنحضورؐ کا عفو کامقام اور آنحضورؐ اور غصہ نہ کرنے کی تعلیم۔

4. تقریر کرتے وقت صاحب صدر یا سامعین کو مخاطب کرتے موقع و محل کو مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ صاحب تحریر کے مدنظر بھائی اور بہنیں دونوں ہوتی ہیں۔ اس طرح مخاطب ضمیر بھی بدل جائے گی۔

5. اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تقریر خود تیار کرنے کی کوشش کیا کریں۔ اس سے کتب بینی کا بھی موقع میسر آتا ہے۔ مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ کی بھی توفیق ملتی ہے۔ عنوان کو ذہن میں رکھ کر درود شریف اور دعائے قرآنیہ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ بار بار پڑھیں۔ اپنے خدا سے مدد مانگیں اور اگر ممکن ہو تو صدقہ بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ مضمون سلجھا دے گا اور تقریر لکھنے میں الٰہی مدد و نصرت بھی ملے گی۔

یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“ بر مشتمل تقاریر

1۔ جماعت احمدیہ و ذیلی تنظیموں کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں

2۔ تقاریر سیرت و شمائل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

3۔ 100 تقاریر برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ بر موقع صد سالہ جوبلی

4۔ 52 علامات 52 تقاریر بابت پیشگوئی مصلح موعود

5۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ

6۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک

7۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت (حصہ اول)

8۔ 25 تقاریر بابت انفاق فی سبیل اللہ

9۔ 65 تقاریر برائے انصار اللہ

10۔ 20 تقاریر بابت محرم الحرام

11۔ 25 تقاریر بابت اہل بیت رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ

تقاریر
جماعتِ احمدیہ و ذیلی تنظیموں
کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں
حنیف احمد محمود

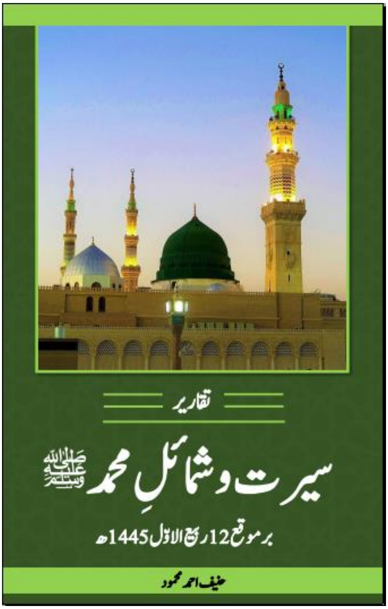
تقاریر
سیرت و شمائلِ محمد ﷺ
بر موقع 12 ربیع الاوّل 1445ھ
حنیف احمد محمود

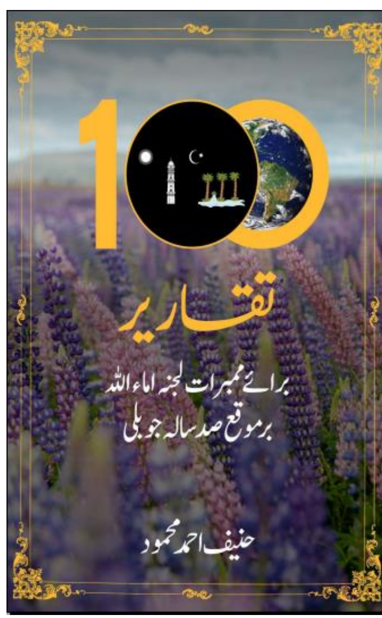
100
تقاریر
برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ
بر موقع صد سالہ جوبلی
حنیف احمد محمود

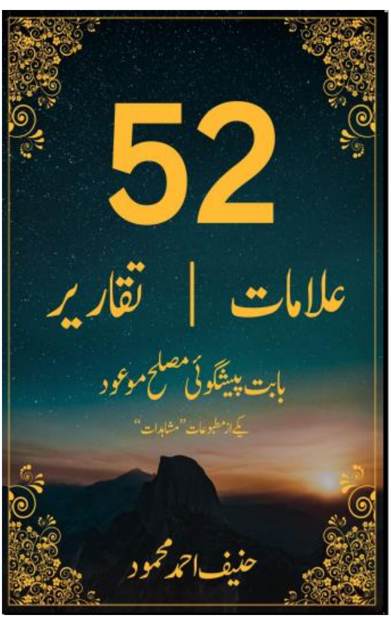
52
علامات | تقاریر
بابت پیشگوئی مصلح موعود
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
حنیف احمد محمود

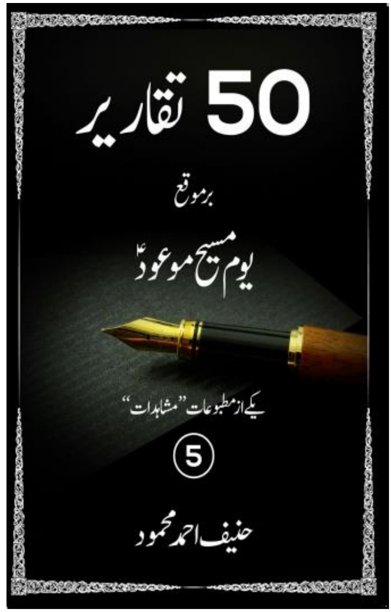
50 تقاریر
برموقع
یوم مسیح موعودؑ
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
5
حنیف احمد محمود

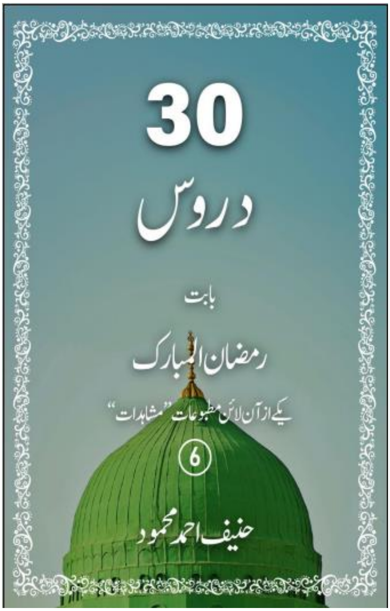
30
دروس
بابت
رمضان المبارک
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
6
حنیف احمد محمود

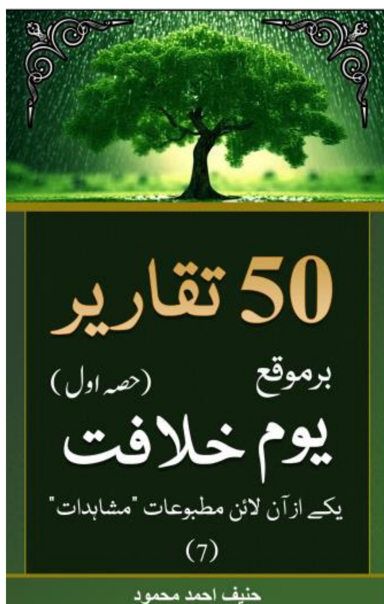
50 تقاریر
برموقع
(حصہ اول)
یوم خلافت
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
(7)
حنیف احمد محمود

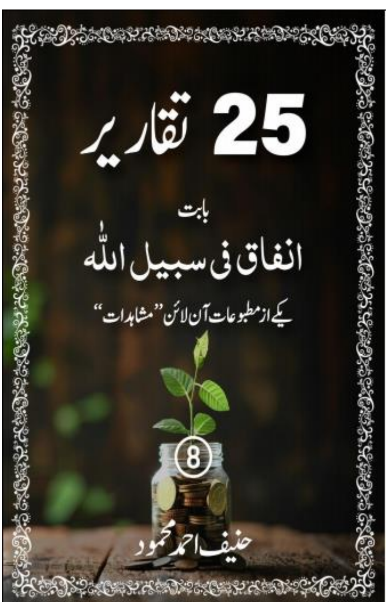
25 تقاریر
بابت
انفاق فی سبیل اللہ
یکے از مطبوعات آن لائن "مشاہدات"
8
حنیف احمد محمود

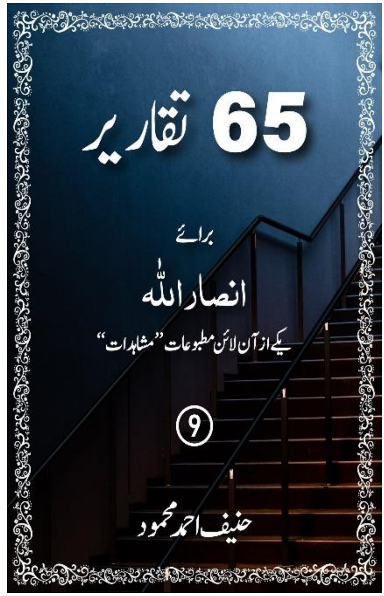

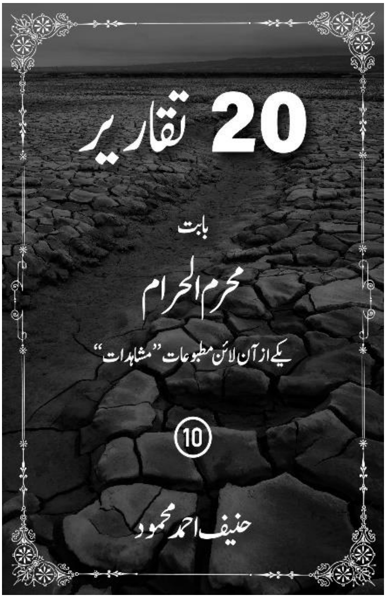

50 تقاریر

برائے

خدام الاحمدیہ

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

12

(زیر تعمیر)

حنیف احمد محمود

انڈیکس

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	479	اہلِ بیت سے محبت و عقیدت	1
2	454	اہلِ بیت سے حضرت مسیح موعودؑ کی محبت اور عشق	10
3	467	اہلِ بیت کا مقام و مرتبہ (خلفائے خمسہ کے افاضات کی روشنی میں)	17
4	447	اہلِ بیت اور صحابہؓ کی تعظیم و توقیر (بزبانِ مبارک حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)	27
5	453	اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	41
6	439	اُمّ المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا	52
7	182	اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	60
8	440	اُمّ المومنین حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا	69
9	441	اُمُّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا	78
10	442	اُمُّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا	84
11	444	اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	93
12	445	اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا	104
13	451	اُمّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا	111
14	452	اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	121
15	477	اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا	131
16	455	اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	138
17	485	اُمّ المومنین حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا	146

18	474	سیرت و مناقب حضرت زینبؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	149
19	475	سیرت و مناقب حضرت رقیہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	157
20	476	سیرت و مناقب حضرت اُم کلثومؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	163
21	456	سیرت و مناقب حضرت فاطمۃ الزہرہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	168
22	478	صاحبزادۂ رسولؐ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ	178
23	471	سیرت و مناقب نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ	184
24	480	سیرت و مناقب نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ	192
25	481	اہلیان گلستان نبی صلی اللہ علیہ وسلم	202

ضروری نوٹ

ہر مقرر یعنی تقریر کرنے والا اپنی تقریر کا آغاز درج ذیل تشہد سے کرے۔

تشہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ / خطاب کے آغاز میں تشہد بھی پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس خطبہ / خطاب میں تشہد نہ ہو وہ یَدِ جَذْمَاء یعنی ایک ٹنڈے (کٹے ہوئے) ہاتھ کی مانند ہے۔

(جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح، باب اعلان النکاح، حدیث نمبر 3015)

کیا رتبہ ہے کیا شان ہے ازواج نبیؐ کی
ہر لحہ رہا کرتی تھیں صحبت میں نبیؐ کی
محبوب نظر ان کا وہ محبوب خدا تھا
سرشار وہ رہتی تھیں رفاقت میں نبیؐ کی
ماحول میں رہتے تھے وہاں پاک ملائک
جبریل بھی آ بیٹھتے خلوت میں نبیؐ کی
لائیں تو تصور میں وہ گھر اور گھرانہ
رہتی تھیں جہاں بیویاں شفقت میں نبیؐ کی
تھے اعلیٰ ترین آپؐ بھی ازواج سے اپنی
تھیں وہ بھی وفادار محبت میں نبیؐ کی

(امۃ الباری ناصر-امریکہ)

﴿1﴾ ﴿مشاہدات۔479﴾

اہلِ بیت سے محبت و عقیدت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (الاحزاب:34)

ترجمہ: اے اہلِ بیت! یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلائش دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان "اہلِ بیت سے محبت و عقیدت" ہے۔

کائنات کی سب سے افضل ہستی، پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو اہلِ بیتِ رسولؐ کہا جاتا ہے۔ اہلِ بیت کے معنی گھر والوں کے ہیں اور اس سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام اہلِ خانہ جن پر صدقہ حرام ہے۔ ان میں آپ کی اولاد (زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ)، نواسے، نواسیاں، آپ کے چچا (حمزہ وعباس) آپ کی پھوپھی (صفیہ)، آپ کی تمام بیویاں (خدیجہؓ، عائشہؓ، سودہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، زینبؓ بنت خزیمہ، جویریہؓ، صفیہؓ، ام حبیبہؓ، میمونہؓ، ماریہ قبطیہؓ، ریحانہؓ اور زینب بنت جحش) اور بنو ہاشم کے سارے مسلمان مرد و عورت شامل ہیں۔

ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی جان، مال، اولاد سے بڑھ کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان سے محبت رکھے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیت کی محبت بھی ایمان کا حصہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی یہ علامت بھی ہے کہ ایک مسلمان اُن تمام لوگوں سے محبت کرے جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت و تعلق ہے جیسا کہ تمام ازواج مطہراتؓ، آپؐ کی تمام بیٹیاں اُن کے خاوند، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عزیز بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپؐ کے سب سے عزیز نواسے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اِرشاد فرمایا۔

اَدِّبُوْا اَوْلَادَكُمْ عَلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ: حُبِّ نَبِيِّكُم ،وحُبِّ أهلِ بَيتِهِ ،وقِراءةِ القرآنِ

یعنی اپنے بچوں کو تین 3 چیزیں سکھاؤ حُبِّ نَبِيِّكُمْ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی محبت وَحُبِّ اَھْلِ بَيْتِهٖ اور اَہل بیت کی محبت وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اور قرآنِ پاک پڑھنا۔

(سیوطی، الجامع الصغیر، 1، رقم: 311)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت سے کس قدر محبت کرتے تھے کہ اپنے صحابہ کرامؓ کو فرمارہے ہیں کہ تم تو مجھ سے محبت کرتے ہی ہو اپنی اولادوں کو بھی مجھ سے اور میرے خاندان سے محبت کرنا سکھاؤ تاکہ وہ بھی نجات یافتہ شمار ہوں۔

سامعین! حضرت ابو بکرؓ کو اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب مجھے اپنی تمام رشتہ داریوں سے کہیں زیادہ پیارا ہے۔

(مسند احمد جلد 1 صفحہ 9)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی صحیح بخاری میں موجود ہے: اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِهٖ۔

(صحیح البخاری: رقم 3751)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں آپ کی قرابت کا لحاظ رکھو۔

حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ ایک ایسے گھرانے کے چشم و چراغ تھے جو حق گوئی، پاکیزگی اخلاق، شجاعت و بہادری اور فصاحت و بلاغت میں خاص مقام رکھتا ہے۔ اس گھر کے افراد بلند ہمتی کے پیکر، سخاوت و شجاعت میں پیش پیش، اخلاق و شرافت کی زندہ تصویر اور جوش عمل میں سب سے آگے تھے۔ آپ کے خاندان کی فضیلت و برتری کے سامنے تمام حسب و نسب ہیچ ہیں۔ایک طرف آپؓ کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے جن کے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے:رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ(ہود:74)یعنی تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں اے اہلِ بیت ! یقیناً وہ صاحب حمد (اور) بہت بزرگی والا ہے۔ تو دوسری طرف آپؓ کی نسبت شاہِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جن کا وجودِ باجود رحمۃ للعالمین اور وجہ تخلیق کائنات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے بارے میں جیسا کہ خاکسار نے ابتداء میں آیت تلاوت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:34) یعنی اے اہلِ بیت! یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلائش دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: آپ کو اہلِ بیت میں سے سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ آپ نے فرمایا حسن اور حسین سے۔

(ترمذی أبواب المناقب ،درالصحابة فی مناقب القرابة و الصحابة)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”جس نے میرے حسن اور حسین سے محبت کی، اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اُن سے بُغض رکھا، اُس نے مجھے سے بُغض رکھا۔“

(سنن ابن ماجہ جلد1 صفحہ 51 الرقم 143)

حضرت فاطمہؓ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ فاطمہ میری جان کا حصہ ہے۔ جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔

(صحیح بخاری جلد 3 الرقم:3510)

ایک اور جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ سے محبت کرو، جو تمہیں نعمتوں سے نوازتا ہے۔ مجھ سے محبت کرو کہ میری محبت اللہ کی محبت ہے، میری محبت سے اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور میرے اہلِ بیت سے محبت کرو، میری محبت کی خاطر، میرے اہل بیت سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور تم میری محبت تک پہنچ جاؤ گے۔

(ترمذی: الرقم 3789)

ایک اور مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کی محبت کو ایمان کامل کے لئے شرط قرار دیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومنِ کامل نہیں ہوتا یہاں تک کہ میں اسے اس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں اور میری اَولاد اس کو اپنی جان سے زیادہ پیاری نہ ہو اور میرے اہل اُن کو اپنے اہل سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میری ذات اس کو اپنی ذات سے زیادہ پیاری نہ ہو۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی حب النبی فصل فی براء تہ فی النبوۃ)

سامعین! ان احادیث سے ثابت ہوتا کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے بارے میں اس طرح بات کرتے ہیں تو وہ کوئی عام شخصیت نہیں یعنی اُن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر محبت ہے کہ وہ ان کے لیے کسی بھی قسم کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتے لہذا ان شخصیات کی تعظیم ہم پر فرض ہے۔ جب یہ نکتہ ذہن میں رہے گا تو ہی اہل بیت کی عظمت و شان اور ان کے مقام و مرتبہ کا حقیقی فہم نصیب ہو گا۔

معزز سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں آپ کی ازواج مطہرات پر اللہ کی خاص رحمت اور برکت رہی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ازواج مطہرات کو امت کی "اولین خواتین" اور "اُمّ المؤمنین" کا درجہ عطا فرمایا۔ انہیں دنیا بھر کی تمام عورتوں کے لیے پیشوا بنایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (احزاب:33)۔ اے نبی کی بیویو! تم ہرگز عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گھروں کو وحی کے نزول کا مقام بنایا اور فرمایا کہ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: 35) اور یاد رکھو! اللہ کی آیات اور حکمت کو جن کی تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ مقام عطا فرمایا تو ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ

ضِعۡفَیۡنِ (الاحزاب:31) یعنی اے نبی کی بیویو! جو بھی تم میں سے کھلی کھلی فاحشہ کا ارتکاب کرے گی اس کے لئے عذاب کو دوگنا بڑھا دیا جائے گا لیکن اس بات کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کو تمام عیوب سے پاک رکھ کر اعلیٰ درجہ کی تطہیر سے نوازنا تھا کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (الاحزاب:34) اے اہلِ بیت! یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلائش دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔ سامعین! اسی وجہ سے ازواج مطہرات کا نمونہ اور اُن کا مقام و مرتبہ ہمارے لیے ہماری خواتین کے لیے بھی ایک نمونہ ہے کہ ہم اس پر عمل کریں۔ اُن سے محبت کریں اور خدا کی رضا حاصل کرنے میں ایک قدم اور آگے بڑھائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اہل بیت سے جو والہانہ محبت تھی اس کا اظہار آپؑ نے اشعار میں بھی فرمایا ہے ایک عربی شعر میں فرمایا:

وَ آلُہٗ الَّذِینَ ہُمۡ لِشَجَرَۃِ النُّبُوَّۃِ
کَالاَغۡصَانِ وَلِشَامَّۃِ النَّبِیِّ کَالرَّیۡحَانِ

یعنی آل محمد درخت نبوت کی شاخوں کی طرح اور نبی کی قوت شامہ کے لئے ریحان کی طرح ہیں۔
(روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 188)

اسی طرح آپ علیہ السلام اپنے ایک فارسی شعر میں فرماتے ہیں:

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچۂ آل محمد است

یعنی میرا جان و دل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فدا ہے۔ میری خاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے کوچہ پر نثار ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت علیؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”میں حضرت علی اور ان کے دونوں بیٹوں سے محبت کرتا ہوں اور جو ان کا دشمن ہے میں اس کا دشمن ہوں“

(ترجمہ از عربی سر الخلافۃ، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 358-359)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما خدا کے برگزیدہ اور صاحبِ کمال اور صاحبِ عفت اور عصمت اور ائمۃ الہدیٰ تھے اور وہ بلاشبہ دونوں معنوں کے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آل تھے“

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 364-365 حاشیہ)

آپؑ نے فرمایا:

”یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسینؓ کی یا کسی اور بزرگ کی جو ائمہ مطّہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف اُن کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ اُس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اُس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 545-546)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:

”حضرت علیؓ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہؓ بتول ان کے گھر میں تھیں ان کے ساتھ محبت رکھنا ایمان ہے اور اُن کے ساتھ بغض رکھنا نفاق ہے وہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے اور اُن کا مرتبہ ایسا تھا جیسا کہ ہارونؑ کا موسیٰؑ کے پاس تھا اور انہی میں سے سید حسن المجتبیٰ تھے۔ اے اللہ! تو میرے دل میں ان کی محبت دیکھتا ہے۔ خدا اُن سے راضی ہو وہ اس امر کے مصداق ہوئے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دو مسلمان گروہ کے درمیان صلح کرائے گا اور مَیں اُس کے بھائی حسینؓ سے بھی محبت رکھتا ہوں جو اہلِ جنت کے نوجوانوں کا سردار تھا

جو دھوکہ سے مظلوم شہید ہو کر مارا گیا اور اس کے مقابلہ کے دشمن نامراد کے ساتھ بُغض رکھتا ہوں کسی نے اُس کی نیک تعریف نہ کی بلکہ انہوں نے اُن کی برائی بیان کی"

(ارشادت نور جلد اوّل صفحہ 258)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انعام دینے کا یہ بھی ایک طریق اور رنگ ہوتا ہے کہ اپنے پیارے اور محبوب کی وساطت اور وسیلہ سے دیا جائے۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انعامات کا وارث کرنے اور سب ست بڑا رُتبہ عطا کرنے کے لیے اِس طریق سے بھی کام لیا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر دعائیں مانگیں گے اُن کی دعائیں زیادہ قبول ہوں گی ..... ہر ایک ہی اپنی مصیبت دور ہونے اور حاجت کے پورا ہونے کے لیے خدا تعالیٰ سے دعا کرے گا اور جب دعا کرے گا تو اگرچہ وہ پہلے آنحضرتؐ پر درود بھیجے کا عادی نہ ہو گا لیکن اپنی دعا قبول ہونے کے لیے درود بھیجے گا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیٔ درجات کا موجب ہو گا اور اس طرح اسے بھی انعام مل جائے گا.... یہ اسی طرح ہے کہ جو محبوب سے اچھا سلوک کرتا ہے وہ بھی محبّ کا محبوب ہو جاتا ہے"

(سیرت النبیؐ جلد 1 صفحہ 401)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

"سورۃ الاحزاب کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ فرمایا أَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ اور آگے جا کر اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو اس طرف متوجہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے لیے اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لیے اُسوہ حسنہ ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل ہی نہیں کر سکتے اس کی محبت اور پیار کو پا ہی نہیں سکتے جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کر کے، آپؐ کو اپنے لیے بطور نیک نمونہ سمجھتے اور یقین کرتے ہوئے آپؐ کے نمونہ کے مطابق اپنی زندگیاں نہیں ڈھالو گے"

(تفسیر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سورۃ الاحزاب صفحہ 65)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں:

”حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رشتہ ہے جس رشتے سے ہمارا خدا سے رشتہ بنتا ہے۔ پس آپؐ کی اولاد سے اس تعلق کا قائم نہ رہنا یا اولاد سے اس تعلق کا قائم نہ رہنا یا اولاد سے کسی قسم کا بُغض ان دونوں رشتوں کو کاٹ دیتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد وہ اولاد نہیں تھی جس نے اپنا روحانی تعلق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم نہ رکھا بلکہ وہ اولاد تھی جس نے اس تعلق کے تقاضوں میں اپنی جانیں دے دیں اور عظیم تر قربانیاں پیش کیں۔ پس اس پہلو سے وہ جس کے دل میں اہل بیت کا بغض ہے حقیقت میں اُس کے دل میں محمد رسول اللہ کا بُغض ہے اور اسلام کا بغض ہے اور اس کی کوئی نیکی حقیقی نیکی نہیں کہلا سکتی۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 جون 1994ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اصل مقام روحانی آل کا ہے۔ اگر جسمانی رشتہ بھی قائم رہے تو یہ تو ایک انعام ہے۔ لیکن اگر جسمانی آل تو ہو لیکن روحانی آل کا مقام حاصل کرنے کی یہ جسمانی آل اولاد کوشش نہ کرے تو کبھی اُن برکات سے فیضیاب نہیں ہو سکتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے منسلک ہونے سے اللہ تعالیٰ نے دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

پس ہمیں ہر وقت اپنے جائزے لیتے رہنے کی ضرورت ہے۔ جب بھی درود شریف پڑھیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس حد تک اس درود سے فیضیاب ہونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ کس حد تک زمانے کے امام کی بیعت میں آکر قرآنِ کریم کی حکومت اپنے سر پر قبول کرنے والے ہیں۔ اللہ کرے کہ بزرگوں کے مقام کے یہ ذکر اور مخالفینِ احمدیت کی ہم پر سختیاں اور ظلم اور بعض حکومتوں کا ہم پر ان ظلموں کا حصہ بننا ہمیں پہلے سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا قرب دلانے والا ہو۔ ہماری قربانیاں سعید فطرت لوگوں کو احمدیت کی آغوش میں لانے والی ہوں اور ہم احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی فتوحات کے نظارے دیکھنے والے ہوں۔“

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 23 نومبر 2012ء)

سامعین! پس محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مقام و مرتبہ کا تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے انتہادرجہ محبت ہو بلکہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہو وہ ہمیں محبوب ہو اور جن لوگوں سے آپؐ نے محبت کی وہ ہمارے محبوب بن جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت سے محبت کا خود حکم دیا۔ آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُن کے بعد آنے والے لوگوں کو وصیت کے رنگ میں فرمایا کہ تم کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور حُبِّ اہلِ بیت سے دُور نہ ہو جانا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿2﴾ ﴿مشاہدات۔454﴾

اہلِ بیت سے حضرت مسیح موعودؑ کی محبت اور عشق

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (الاحزاب 59-57)

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا میں بھی لعنت ڈالی ہے اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے۔ اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں بغیر اس (جرم) کے جو انہوں نے کمایا ہو تو انہوں نے ایک بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کا بوجھ اٹھالیا۔ یعنی مومن مردوں اور عورتوں کو بیجا اور ناحق دکھ دینے والے بہتان اور بھاری گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

بوقتِ سجدہ شہادت کا پی لیا تھا جام
بھُلا سکے گی نہ امت بھی کربلا کی شام
شہید ہوکے یوں دائم رہے گا نامِ حسین
کہ اب بھی ابن علی کو پہنچ رہے ہیں سلام
جھکا نہ سر وہ کبھی کفر کے مقابل پر
وہ جنکو پیاس کی شدت بنا سکی نہ غلام

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ اہلِ بیت سے حضرت مسیح موعودؑ کی محبت اور عشق

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے متعدد جگہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کا ذکر خیر فرمایا ہے۔ آپؑ کو حضرت حسینؓ اور اہل بیت سے جو والہانہ محبت تھی اس کا اظہار بھی آپؑ نے بارہا اپنے منظوم و منثور کلام میں بھی فرمایا ہے۔ آپؑ ایک عربی شعر میں فرمایا:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

وَ آلُہٗ الَّذِینَ ھُمْ لِشَجَرَۃِ النُبُوَّۃِ
کَالاَغْصَانِ وَلِشأَمَّۃِ النَّبِیّ کَالرَّیْحَانِ

کہ آل محمد درخت نبوت کی شاخوں کی طرح اور نبی کی قوت شامہ کے لئے ریحان کی طرح ہیں۔

(نور الحق حصہ دوم، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 188)

ایک اور مقام پر یزید جیسے معاندین کو آپؑ نے مخاطب کر کے فرمایا۔

اِتَّقِ اللہِ یَا عَدُوَّ حَسَیْن
اِتَّقِ اللہَ یَا غَرِیْقَ الْمِیْنَ

اے عدو (یعنی دشمنِ) حسین! اللہ سے ڈر۔ اے جھوٹ میں ڈوبے ہوئے! اللہ سے ڈر

(قصائد احمدیہ صفحہ 172-173)

اِسی طرح اپنے فارسی کلام میں فرماتے ہیں۔

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچۂ آل محمد است

یعنی میرا جان و دل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فدا ہے۔ میری خاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے کوچہ پر نثار ہے۔

سامعین! عالم کشف میں آپؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی زیارت بھی ہوئی۔ آپؑ تحریر فرماتے ہیں۔ ”.....پھر حسینؓ میرے پاس آئے اور دونوں مجھ سے بھائیوں کی طرح محبت کا اظہار کرتے تھے ....اور یہ کشف بیداری والے کشوف میں سے تھا جس پر کئی سال گزر چکے ہیں“

(تذکرہ صفحہ 22 حاشیہ)

حضرت امام حسینؓ کی سیرت پاک کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

”کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کے پاس ایک نوکر چاء کی پیالی لایا جب قریب آیا تو غفلت سے وہ پیالی آپ کے سر پر گر پڑی۔ آپ نے تکلیف محسوس کر کے ذرا تیز نظر سے غلام کی طرف دیکھا غلام نے آہستہ سے پڑھا اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ ۔ یہ سن کر امام حسینؓ نے فرمایا ۔کَظَمْتُ۔ غلام نے پھر کہا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسَ۔ کَظِیْم میں انسان غصہ دبالیتا ہے اور اظہار نہیں کرتا مگر اندر سے پوری رضامندی نہیں ہوتی اس لئے عفو کی شرط لگا دی ہے۔ آپ نے کہا میں نے عفو کیا پھر پڑھا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ محبوب الٰہی وہ ہوتے ہیں جو کَظَم اور عفو کے بعد نیکی بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جا آزاد بھی کیا راستبازوں کے نمونے ایسے ہیں کہ چاء کی پیالی گرا کر آزاد ہوا۔ اب بتاؤ کہ یہ نمونہ اصول کی عمدگی ہی سے پیدا ہوا۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 115)

سامعین! پھر فرمایا۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ یعنی اے اہل بیت! خدا تمہیں ایک امتحان کے ذریعہ سے پاک کرنا چاہتا ہے جیسا کہ حق ہے پاک کرنے کا۔

جہاں یہ آیت ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں ہی کا ذکر ہے۔ سارے مفسّر اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ امہات المؤمنین کی صفت اس جگہ بیان فرماتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے۔اَلطَّیِّبُ لِلطَّیِّبِیْنَ ۔یہ آیت چاہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے طیبات ہوں۔ہاں! اس میں صرف بیبیاں ہی شامل نہیں بلکہ آپ کے گھر میں رہنے والی ساری عورتیں شامل ہیں اور اس لئے اس میں بنت بھی داخل ہو سکتی ہے بلکہ ہے اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں تو حسینؓ بھی داخل ہوئے۔ پس اس سے زیادہ یہ آیت وسیع ہو سکتی تھی؟ ہم نے کر دی کیونکہ قرآن شریف ازواج کو مخاطب کرتا ہے

اور بعض احادیث نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسینؓ کو مطہرین میں داخل کیا ہے پس ہم نے دونوں کو ایک جا جمع کر لیا......... اہل بیت جو ایک پاک گروہ اور بڑا عظیم الشان گھرانا تھا اس کے پاک کرنے کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ یعنی میں ہی ناپاکی اور نجاست کو دور کروں گا اور خود ہی ان کو پاک کیا"

(تفسیر مسیح موعود جلد 7 صفحہ 44)

پھر سنت اہلِ بیتِ رسولؐ کی سنت اپنانے کے حوالے سے فرمایا۔

"ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوُا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجالاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا... اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے۔ وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گزشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس امت میں گزر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی...... اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض چمک دار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا کی کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔

میرے خیال میں وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی سورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔"

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 22-23)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسہ تھے اور ان کو نہایت بے دردی سے حد درجہ ظلم و بربریت کے ساتھ شہید کیا گیا۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ”سید المظلومین“ ”امام معصوم“ کے الفاظ سے یاد کیا۔ آپ کی محبت میں آنسو بہائے اور اس واقعہ کو ہمیشہ ایک دکھ آمیز داستان کے طور پر لیا۔ آپؑ نے اہل بیت اطہار سے متعلق ایک ایمان افروز کشف یوں بیان فرمایا ہے۔

”ایک مرتبہ نمازِ مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غَیبتِ حِس سے جو خفیف سے نشاء سے مشابہ تھی۔ ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے یک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی۔ جیسے بسُرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے۔ پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آ گئے یعنی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علی و حَسَنَین و فاطمہ زَہراء رضی اللہ عنہم اجمعین اور ایک نے اُن میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادرِ مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالك۔“

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ 503-504 بار اول حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

آل محمدؐ پر درود

آئیں! اب کچھ باتیں آلِ محمدؐ پر درود کے حوالے سے آپؑ کے ارشادات سنتے ہیں۔

آپؑ فرماتے ہیں۔ ”جس طرح خدا تعالیٰ نے مصائب سے نجات پانے کے لئے بعض اپنے نبیوں کو دعائیں سکھائی تھیں۔ مجھے بھی خدا نے الہام کر کے ایک دعا سکھائی اور وہ یہ ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ“

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 32)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُرود کی برکات اور اہل بیت سے تعلق کا جو ادراک ہمیں عطا فرمایا ہے وہ مَیں آپؑ کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ آپؑ نے ایک جگہ فرمایا کہ:

”ایک مرتبہ الہام ہوا، جس کے معنے یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادہ الٰہی احیاءِ دین کے لئے جوش میں ہے“۔ اللہ تعالیٰ دین کو دوبارہ زندگی دینا چاہتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جوش میں ہے ”لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص مُحْیِی کی تعین ظاہر نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ اختلاف میں ہے“۔ لیکن یہ نہیں پتہ لگ رہا کہ کس کے ذریعہ سے یہ زندگی دوبارہ پیدا کی جانی ہے تو ”اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مُحْیِی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارے سے اس نے کہا هٰذَا رَجُلٌ یُّحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبتِ رسول ہے“۔ یعنی اس عہدے کے لئے جو زندہ کرنے والا ہے سب سے بڑی شرط محبت کی ہے۔ جس نے مُحْیِی بننا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں سب سے زیادہ ہونا چاہئے۔ ”سو وہ اس شخص میں متحقق ہے“۔ وہ اس شخص میں پائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کرکے فرشتوں نے کہا۔ فرماتے ہیں کہ ”اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آل رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے“۔ یہ جس الہام کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے جو پہلے ہوا تھا، یہاں نہیں پڑھا گیا کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ وُلْدِ آدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔ فرمایا کہ ”اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آل رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے سو اس میں بھی یہی سِر ہے کہ افاضہ انوارِ الٰہی میں محبت اہلِ بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے اور جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہی طیبّین طاہرین کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے۔“ (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 598-599 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

(خطبہ جمعہ 28/ اگست 2020ء)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر کثرت سے درود بھیجنے کی توفیق ملے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

۞۞۞۞

﴿3﴾ ﴿مشاہدات۔ 467﴾

اہلِ بیت کا مقام و مرتبہ

(خلفائے خمسہ کے افاضات کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا

(النساء:94)

اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے وہ اس میں بہت لمبا عرصہ رہنے والا ہے اور اللہ اس پر غضب ناک ہوا اور اس پر لعنت کی، اور اس نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

باطل پہ چھا گیا ہے نواسہ رسولؐ کا
حق سچ بتا گیا ہے نواسہ رسولؐ کا
آنکھوں میں بس گیا ہے نواسہ رسولؐ کا
دل میں سما گیا ہے نواسہ رسولؐ کا

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔ خلفائے خمسہ کے افاضات کی روشنی میں۔ اہلِ بیت کا مقام و مرتبہ

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں۔

”امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد تو ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ مگر یزید کی نسل میں سے ہونا تو درکنار اس کا ہم نام بھی کوئی کہلانا نہیں چاہتا۔“ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 524)

"حضرت امام حسین کربلا میں شہید ہوئے۔ یہ اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کے خلاف نہیں۔ موت تو سبھی کو آتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ دنیا میں معزز و مکرم کون ہے وہ جس کی نسل کا بچہ پیدا ہوتے ہی سید و سردار کا لقب پاتا ہے یا وہ جس کے نام پر کوئی اپنا نام بھی نہیں رکھتا اور نہ کوئی مانتا ہے کہ میں اس کی نسل سے ہوں۔ جس کے نام کا تصور قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات پڑھتے ہوئے بھی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ فَہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ (محمد :23) وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الۡاَرۡضِ لِیُفۡسِدَ فِیۡہَا وَیُہۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ (البقرہ :206)"

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 525)

پھر فرمایا۔

"تیسرا علاج یہ ہے کہ دعائیں بہت مانگے۔ اپنے محسنوں کے لئے بھی دعا کرے۔ انہی دعاؤں میں سے ایک دعا اور بڑی اعلیٰ دعا درود شریف بھی ہے۔ جو اپنے پیارے محسن اور نہایت ہی عظیم الشان محسن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانگی جاتی ہے۔ وہ ہمارا بڑا بھاری محسن ہے۔ ایسے محسن پر اللہ جلشانہ اپنے خاص خاص فضل اور عام رحمتیں کرے تاکہ اس کے بدلہ میں ہم پر بھی خاص رحمتیں اور عام فضل ہو۔ چاہئے کہ درود شریف بہت پڑھا جاوے اور اپنے محسن کے لئے بہت دعا مانگی جاوے تاکہ ہم پر بھی رحم ہو۔"

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 450)

حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا:

"دشمنوں نے جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو کربلا کے میدان میں شہید کیا تو کون کہہ سکتا تھا کہ ان کا نام دنیا میں عزت سے یاد کیا جائے گا۔ اس وقت دشمن کتنے فخر سے کہتے ہوں گے کہ ہم نے موذی نسل کا ہی صفایا کر دیا اور دیکھ لو! کیسا بُرا انجام ان لوگوں کا ہوا مگر زمانہ نے آخر کیا ثابت کیا؟ یہی کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے خاندان کی تباہی کے باوجود بھی ان کا نام ہمیشہ عزت کے ساتھ زندہ ہے اور اولاد بھی اتنی پھیلی ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں سادات موجود ہیں اور دوسری طرف دیکھ لو۔ آج بھی کہ جو ایمانی تنزل کا زمانہ ہے کسی کو یہ جرأت نہیں کہ اپنے بیٹے کا نام یزید رکھ سکے۔ جس طرح بعض زمانوں میں

خدا تعالیٰ کا نام بھی دنیا سے مٹ جاتا ہے بے شک اسکے بندوں کا بھی مٹ جاتا ہے مگر جب بھی پھر خدا تعالیٰ کا نام ابھرتا ہے ساتھ ہی ان کا بھی ابھر آتا ہے۔ اگر انسان خدا تعالیٰ کے نام کو دل سے نکالتا ہے تو ان کا بھی نکل جاتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ کا نام زندہ ہوتا ہے ان کا بھی ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔"

(خطباتِ محمود جلد 22 صفحہ 42)

فرمایا:

"حضرت امام حسینؓ نے معرکہ ٔ کربلا میں بے شک جان دے دی۔ مگر آج تک اسلام اس قربانی پر ناز کرتا ہے۔"

(خطبات محمود جلد نمبر 16 صفحہ 396)

سامعین! حضرت خلیفۃُ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت امام حسین سے دشمنی ہوئی رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کو قتل کیا گیا اور ان کے خاندان کے بڑوں اور چھوٹوں کو... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ (البروج: 11) وہ لوگ جنہوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو عذاب میں مبتلا کیا اور انہیں تکالیف پہنچائیں اور پھر توبہ بھی نہ کی۔ جس صحیح اور سچ اور خالص اسلام کی طرف وہ مصلحین اور ان کے ماننے والے بلاتے تھے اس طرف توجہ نہیں کی اور توبہ نہ کی تو خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی آگ ان کے اوپر بھڑکے گی۔"

(خطبات ناصر جلد نہم صفحہ 140)

سامعین! حضرت خلیفۃُ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"یہ مہینہ محرم الحرام کا ہے جس کی بہت سی فضیلتوں کا احادیث میں اور اسلامی لٹریچر میں ذکر ملتا ہے لیکن اس موقع پر آج کے خطبہ میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰؐ کے اہل بیت، آپؐ کی آل کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰؐ کا وہ رشتہ ہے جس رشتے سے ہمارا خدا اسے رشتہ بنتا ہے۔ پس آپ کی اولاد سے اس تعلق کا قائم نہ رہنا یا اولاد سے کسی قسم کا بغض ان دونوں رشتوں کو کاٹ دیتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰؐ کی اولاد وہ اولاد نہیں تھی جس نے اپنا روحانی تعلق حضرت اقدس محمد رسول اللہؐ سے قائم نہ رکھا بلکہ وہ اولاد تھی جس نے اس تعلق کے تقاضوں میں اپنی جانیں دے دیں اور عظیم ترین قربانیاں پیش

کیں۔ پس اس پہلو سے وہ جس کے دل میں اہل بیت کا بغض ہے حقیقت میں اس کے دل میں محمد رسول اللہ ؐ کا بغض ہے اور اسلام کا بغض ہے اور اس کی کوئی نیکی حقیقی نیکی نہیں کہلا سکتی۔ یہ ایک طبعی حقیقت ہے کہ جس سے محبت ہو اس کے محبوب سے محبت ہو۔ جس سے محبت ہو اس سے جو محبت کرتے ہیں ان سے بھی تعلق قائم ہو اور یہ دونوں باتیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰؐ کی بہت ہی پیاری اور مقدس بیٹی حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو نصیب تھیں۔ ان سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ کو محبت تھی اور وہ حضرت محمد رسول اللہؐ سے محبت کرتے تھے اور پھر یہ خونی تعلق بھی تھا اس لئے کسی مسلمان کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ آنحضورؐ کے اہل بیت سے دوری تو درکنار اس کے وہم میں بھی یہ بات داخل ہو کہ میرا ان سے کسی قسم کا تعلق ٹوٹ سکتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس ایک گہری بے ساختہ محبت حقیقت میں اس کے ایمان پر گواہ ہو گی اور آنحضرتؐ سے پیار پر ایک ایسی پختہ اور دائمی گواہی دے گی کہ جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کے برعکس آنحضرتؐ کی اولاد میں سے پیدا ہونے والے محبت کرنے والوں اور محبوبوں کا ذکر تو محبت سے کیا جائے مگر ان کا جن کا خونی رشتہ نہ بھی تھا مگر خونی رشتوں سے بڑھ کر انہوں نے اپنی جانیں آپؐ پر نثار کیں ان کا بغض سے ذکر کیا جائے اگر ایسا ہو تو ایسے شخص کے ایمان کے خلاف یہ گواہی بھی بہت مضبوط اور ناقابل تردید گواہی ٹھہرے گی۔ پس حقیقی اور سچی بیچ کی راہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے جس نے جس رنگ میں بھی تعلق باندھا خواہ خون کا رشتہ تھا یا نہ تھا اس سے طبعی بے ساختہ دل میں پیار پیدا ہو۔ یہ سچی علامت ہے انسان کے ایمان کی اور آنحضورؐ سے حقیقی وابستگی کی۔

آج عالم اسلام نہ جانے کن اندھیروں میں بھٹک رہا ہے کہ یہ دو محبتیں آپس میں پھٹ چکی ہیں اور ان دونوں کو ایک گھر میں جگہ نصیب نہیں۔ وہ لوگ جو اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اہل بیت سے محبت کے ساتھ آنحضورؐ کے عشاق اور ان فدائیوں کا نفرت اور بغض سے ذکر کرنا بھی جزو ایمان سمجھتے ہیں جن کا ان معنوں میں خونی رشتہ نہیں تھا جن معنوں میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کا رشتہ تھا یا آپ کی اولاد کا تھا اور اس طرح محبت میں زہر گھول دیتے ہیں اور اس کے برعکس وہ لوگ جو صحابہ کرامؓ کی عزت بلکہ گہری محبت اور عقیدت کو دل میں جگہ دیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں اس کے ساتھ محرم کے دنوں میں شیعوں کے خلاف حرکت کرنا اور ان کی مجالس کو درہم برہم کرنا، ان کے جلوسوں میں مخل ہونا، یہ بھی

ایک ایمان کا حصہ ہے اور وہ رشتے جو باہم جوڑنے کے لئے بہت ہی اہم کردار کرسکتے تھے جو تمام عالم اسلام کو ایک جگہ اکٹھا کرنے میں ایک بہت ہی مضبوط کردار ادا کرسکتے تھے ان کو اکٹھا کرنے کی بجائے باہم تفریق کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ پس محرم کے دن وہ دن نہیں ہیں جن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج اہلِ بیت کی قربانیوں کی یاد میں تمام عالم اسلام اکٹھا ہو گیا ہے اور پہلی نفرتیں مٹ چکی ہیں۔ کوئی فرقے بازی کی تفریق باقی نہیں رہی آج اس محبت کے صدقے ایک ہاتھ پر ایک جان کے نذرانے لئے ہوئے اکٹھے ہو رہے ہیں... پس... محرم کے دنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دلی محبت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا کریں اور...جماعت احمدیہ کو آنحضورؐ کی محبت کا پیغام اس رنگ میں امت کو دوبارہ دینے کی ضرورت ہے جس رنگ میں پہلی بار دیا گیا تھا۔ قرآن کریم نے جو دلوں کے باندھنے کا ذکر فرمایا ہے وہ اللہ کی نعمت کے ساتھ باندھنے کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہؐ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ آپؐ ہی کی محبت نے ایک دوسرے کے دشمن قبائل کو یک جان کر دیا تھا۔ وہ جو ایک دوسرے کے جان کے دشمن تھے وہ بھائیوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر جان نثار کرنے والے دوست بن چکے تھے اور حضور اکرمؐ کے وجود کو نکال کر اس کا تصور بھی پیدا نہیں ہو سکتا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ پس اگرچہ محمد رسول اللہؐ نے خود بالارادہ ایسا کام نہیں کیا مگر اللہ نے آپؐ کی ذات میں آپؐ کی نعمت میں ایک ایسی غیر معمولی کشش رکھ دی تھی کہ ناممکن تھا کہ لوگ آپؐ کی ذات پر ایک مرکز کی حیثیت سے جمع نہ ہو جائیں۔ پس مرکز مدینہ نہیں تھا مرکز محمد رسول اللہؐ تھے۔ مرکز مکہ نہیں تھا، مرکز محمد رسول اللہؐ تھے۔ جہاں کہیں آپؐ جاتے تھے وہیں مرکز منتقل ہوتا تھا۔ آپؐ بیٹھتے تھے تو اسلام کا مرکز آپؐ کی ذات میں بیٹھتا تھا۔ آپؐ اٹھتے تھے تو اسلام کا مرکز آپؐ کی ذات میں اٹھتا تھا اور یہی وہ نکتہ تھا جو صحابہؓ کے عشق نے ہمیشہ کے لئے ہم پر حل کر دیا کہ محمد رسول اللہؐ کے مرکز سے محبت اور آپؐ کی ذات میں اکٹھے ہونے کا نام ہی اسلامی وحدت ہے اور یہی توحید کا پیغام ہے جو آج ہمیں سب دنیا کو دینا ہے۔ مگر محمد رسول اللہؐ کی امت کو پہلے دینا ضروری ہے کیونکہ سب سے زیادہ اس امت کا حق ہے کہ انہیں دوبارہ ازمنۂ گزشتہ کی یاد دلا کر ان زمانوں کے واسطے دے کر جن زمانوں میں محمد رسول اللہؐ کی اولاد بھی تھی آپؐ کے صحابہؓ بھی تھے اور کسی کے دل پھٹے ہوئے نہیں تھے۔ وہ تمام صحابہؓ جب حضرت امام حسنؓ اور

حضرت امام حسینؓ کو دیکھتے تھے تو ان کی نظریں عشق اور فدائیت سے ان پر پڑتی تھیں۔ ان کے ذکر دیکھو کیسے کیسے پیار سے حدیثوں میں محفوظ کئے گئے۔ کس طرح صحابہؓ ان کو آنحضرتؐ کے کندھوں پر سوار دیکھتے تھے نماز میں سجدوں میں جاتے تھے تو اس طرح پیار سے ان کو اتار دیا کرتے تھے کس طرح ساتھ کھیلتے اور حرکت کرتے اور لاڈ اور پیار کرتے ہوئے دیکھتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ تمام صحابہؓ کی آنکھوں میں دل پگھل پگھل کر آ رہے ہیں۔ وہ طرز بیان بتاتی ہے کہ غیر معمولی عشق تھا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 / جون 1994ء)

پھر ایک درس القرآن میں فرمایا۔

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

سب سے پیاری بات جو خدا تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ اچھی لگتی ہے۔ وہ ہے ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' یہ دو کلمے ہیں۔ پاک ہے وہ اللہ ہر قسم کی کمزوریوں سے لیکن اپنی حمد کے ساتھ۔ یعنی صرف کمزوریوں سے پاک نہیں، ہر کمزوری کے مقابل پر اس میں ایک حمد موجود ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، واہ کیا شان ہے ہمارے رب کی! عظیم کا لفظ یہاں اسی طرح کا ہے، جیسے ہم کسی بندے کے متعلق بہت ہی متاثر ہو جائیں کہ عظیم آدمی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ عظیم ہے جو ہر خرابی سے پاک، ہر خوبی سے مرصّع اور ہر خوبی اس کی ذات میں کامل طور پر موجود۔ ایسے وجود کی تعریف ہونی چاہئے، اسی سے تعلق جوڑنا چاہئے۔ اس کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا کہ درود اس کے ساتھ شامل کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

اے اللہ! محمدؐ پر سلام بھیج اور ہر قسم کی برکتیں اسے عطا فرما اور آل محمدؐ پر بھی۔

تو یہ سب دعاؤں کا نچوڑ ہے۔ یہ دعا ہو جائے تو ساری دعائیں اس کے اندر داخل ہو جاتی ہیں اور آل محمدؐ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تو داخل ہے ہی مگر خصوصیت سے وہ اُمت جو حقیقتاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے والی ہے اور آپؐ کی آل میں سے وہ خونی تعلق والے بھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خونی رشتہ بھی رکھتے ہیں اور روحانی رشتہ بھی رکھتے ہیں۔ پھر ایک وسیع تر معنے میں آل کا لفظ سارے بنی نوع انسان پر بھی صادق آتا ہے کیونکہ جس کی جو قوم ہو اُسے اس کی آل کہا جاتا

ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سارے بنی نوع ہیں، تمام انسان ہیں۔ پس ان معنوں میں یہ دعا جو ہے بہت ہی وسعت اختیار کر جاتی ہے۔"

(درس القرآن فرمودہ موٴرخہ 10 مارچ 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

فرمایا:

"اسی واسطے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی دعا کو بھی ضرور شامل رکھیں کیونکہ اہلِ بیت سے جیسا اُمت کا حق تھا ویسا سلوک نہیں ہوا اور بڑے ظلم ہوئے ہیں اور ان ظلموں کی پاداش میں بڑی فتنوں میں اُمت مبتلا کی گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعائیں مانگنی چاہئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اہلِ بیت جنہوں نے عظیم قربانیاں کی ہیں اسلام اور سچائی کی خاطر، اُن کے لئے دعائیں کریں کہ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ان میں ہمیشہ جاری رکھے۔ ان میں جو گمراہ ہو چکے ہیں جو دُور ہٹ گئے ہیں اللہ ان کو واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لائے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حسنہ سے ان کو منور فرما دے۔ اُن کے گھر برکتوں سے بھر دے۔"

(درس القرآن 23 مارچ 1993ء بمقام بیت الفضل لندن)

سامعین! اور ہمارے پیارے امامِ ہمام حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔

"آج کل ہم محرّم کے مہینے سے گزر رہے ہیں جو اسلامی سال کے کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے. انگریزی سال کے شروع ہونے پر ہم ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ اسلامی سال کے شروع ہونے پر کئی مسلمان ملکوں میں اس فرقہ واریت کی وجہ سے قتل و غارت گری ہوتی ہے۔ وہ دین جو امن اور سلامتی کی اعلیٰ ترین تعلیم دینے والا دین ہے کیوں اس کے ماننے والے اپنے سال کا آغاز فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری سے کرتے ہیں؟ ہمیں سوچنا چاہیے۔ ہمیں اپنے رویوں کو بدلنا چاہیے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کس طرح ہم مسلمانوں کو امتِ واحدہ بنا کر ان فسادوں اور دہشت گردیوں کو ختم کر سکتے ہیں؟ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہمارے آقا و مطاع حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اسلام کی ابتدا کی ترقی کے بعد ایک فیج اعوج کے زمانے کی خبر دی تھی تو پھر یہ خوشی کی خبر بھی دی تھی کہ خلافت علی منہاج

نبوت قائم ہو گی۔ وہی معاملہ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف ہوا تھا وہی معاملہ آخری زمانے میں خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قیام کے بعد مسلمانوں کو امتِ واحدہ بنانے کا ذریعہ بھی بن جائے گا۔ مسلمانوں کی ترقی اور اکائی کا ایک روشن نشان بن جائے گا۔ پس جب حالات بتا رہے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں وہ نشانیاں جو قرآن و حدیث سے پتہ چلتی ہیں پوری ہو رہی ہیں یا ہو گئی ہیں تو کیوں نہ ہم اس حکم اور عدل کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کی تلاش کریں جو شیعہ سنی اور مختلف فرقوں اور مسلکوں کے اختلافات کو ختم کر کے ہمیں ایک بنانے والا ہے۔ ان اندھے نام نہاد علماء کی تقلید نہ کریں جو خود بھی ڈوب رہے ہیں اور اپنے ساتھ ایک بڑی تعداد میں مسلمانوں کو بھی ڈبونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دیکھیں جب وہ نشانیاں پوری ہو گئیں جن میں قرآن اور حدیث سے پتہ چلتا ہے تو ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کون ہے، اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ کون ہے جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا ذریعہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑا کیا گیا ہے۔ کسی کو کھڑا ہونا چاہیے۔ ہم احمدی کہتے ہیں کہ وہ بانی جماعتِ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہیں جن کے سپرد اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا کام کیا ہے یا جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کروا رہا ہے یا کروائے گا جنہوں نے جھگڑوں اور فسادوں کو امن و سلامتی میں بدلنا ہے۔ پس ہم میں اگر عقل ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم محرم کو صرف افسوس کرنے یا پھر اپنے بغضوں اور کینوں اور غصوں کو نکالنے کا مہینہ نہ بنائیں، صرف اپنے جذبات کے اظہار کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ ایک دوسرے سے محبت اور پیار کا مہینہ بنائیں۔ اس حقیقی تعلیم پر چلیں جو اسلام کی تعلیم ہے۔ اس رہ نما کے پیچھے چلیں جسے اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حکم اور عدل کا مقام دیا ہے تبھی ہم حقیقی مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ تبھی ہم دنیا کو اپنے پیچھے چلا سکتے ہیں... جیسا کہ میں نے کہا آج کل ہم محرم کے مہینے سے گزر رہے ہیں۔ کل یا پرسوں دس محرم بھی ہے جس میں حضرت حسینؓ کی شہادت کے حوالے سے شیعہ اپنے جذبات کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک ظالمانہ فعل تھا جس طرح حضرت حسین کو شہید کیا گیا۔ جب ان جذبات کا اظہار شیعہ حضرات کرتے ہیں یا عام حالات میں بھی شیعہ حضرات کے حضرت حسینؓ کے بارے میں، حضرت علیؓ کے بارے میں جو جذبات ہیں تو عموماً ہمارے بارے میں یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یا

آپؐ کی جماعت نے خاندان نبوت کے مقام کو نہیں پہچانا۔ اس غلط فہمی کو جماعتِ احمدیہ ہمیشہ دور کرنے کی کوشش بھی کرتی رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کے بارے میں جو فرمایا ہے... اس سے اس کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام و مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر میں کیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہ ہم اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ باقی تین خلفاء بھی برحق تھے... پس اس کے لیے آج کل، خاص طور پر اس مہینے میں اور ہمیشہ بھی جبکہ دشمنی بھی آج کل خاص طور پر پاکستان میں بھی اور دوسری جگہوں پہ بھی اپنے عروج پر اور زوروں پر ہے ہمیں چاہیے کہ دعاؤں پر بہت زور دیں۔ درود شریف پڑھنے پر بہت زور دیں اور جتنا اللہ تعالیٰ کے حضور ہم جھکیں گے اتنا ہی جلدی اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب کرے گا، کامیابی و کامرانی نصیب فرمائے گا۔ ان دنوں میں خاص طور پہ دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی دعا کریں۔ وہ مسلمان فرقے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے پر لگے ہوئے ہیں اور ان دنوں میں خاص طور پر جب دس محرّم آتی ہے تو تاریخ ابھی تک تو یہی بتا رہی ہے کہ کہیں نہ کہیں امام بارگاہوں پہ اور تعزیوں پہ یا مختلف جگہوں پہ حملے بھی ہوتے ہیں اور پھر کئی لوگوں کو شہید کیا جاتا ہے، دین کے نام پر شہید کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عقل دے اور کم از کم اس سال ایسی اطلاع کہیں سے کسی بھی ملک سے نہ ملے کہ جہاں مسلمانوں نے مسلمانوں کو مارا ہو اور یہ مسلمان اس حقیقت کو بھی جلد پہچاننے والے ہوں کہ اسلام کی جو فتح اللہ تعالیٰ نے مقدر کی ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے ہی کی ہے اور ان کو یہ سمجھ آجائے کہ ہماری کامیابی اب اسی میں ہے کہ زمانے کے امام اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آجائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بھی عطا فرمائے۔"

(خطبہ جمعہ 28/ اگست 2020)

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"حضرت امام حسینؓ نے جن کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ وہ سرداران بہشت میں سے ہیں، ہمیں صبر اور استقامت کا سبق دے کر ہمیں جنت کے راستے دکھا دیئے۔ ان دنوں میں یعنی محرم کے مہینہ میں خاص طور پر جہاں اپنے لئے صبر اور استقامت کی ہر احمدی دعا کرے، وہاں دشمن کے شر سے

بچنے کے لئے رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ، کی دعا بھی بہت پڑھیں۔ پہلے بھی بتایا تھا کہ ہمیں یہ دعا محفوظ رہنے کے لئے پڑھنے کی بہت ضرورت ہے۔ اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ، کی دعا بھی بہت پڑھیں۔ درود شریف پڑھنے کے لئے میں..... پہلے بھی کہتا رہتا ہوں کہ اس طرف بہت توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو اپنی حفاظت میں رکھے۔"

(خطبہ جمعہ 23 نومبر 2012ء)

پھر درود پڑھنے کی طرف یوں توجہ دلائی۔

"اس مہینے میں درود بہت پڑھیں۔ یہ جذبات کا سب سے بہترین اظہار ہے جو کربلا کے واقعہ پر ہو سکتا ہے، جو ظلموں کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد چاہنے کے لئے ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا گیا یہ درود آپؐ کی جسمانی اور روحانی اولاد کی تسکین کا باعث بھی بنتا ہے۔ ترقیات کے نظارے بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے پیار کا بھی یہ ایک بہترین اظہار ہے۔ اور اس زمانے میں آپ کے عاشقِ صادق مسیح موعودؑ کے مقاصد کی تکمیل میں بھی یہ درود بے انتہا برکتوں کے سامان لے کر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دنوں میں خاص طور پر درود پڑھنے کی، زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر یہ درود جو ہے ہماری ذات کے لئے بھی برکتوں کا موجب بننے والا ہو گا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 دسمبر 2010ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

﴿4﴾ ﴿مشاہدات۔447﴾

اہلِ بیت اور صحابہؓ کی تعظیم و توقیر

(بزبانِ مبارک حضرت خلیفۃُ المسیح الرابعؒ)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ (توبہ:100)

اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔

زمین ہے نہ زماں نیند ہے نہ بے داری
وہ چھاؤں چھاؤں سا اک سلسلہ ہمارے لیے

معزز سامعین! مجھے آج اِس مبارک محفل میں حضرت خلیفۃُ المسیح الرابعؒ کی زبانِ مبارک سے حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کی روشنی میں اہلِ بیتِ رسولؐ اور صحابہؓ کی تعظیم و توقیر بیان کرنا ہے۔

سامعین! آپؒ فرماتے ہیں۔

آج کے خطبہ (خطبہ جمعہ 17/جون 1994ء۔ ناقل) کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند تحریریں چنی ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور یہی آج امت کا علاج ہے کہ ایک ہی زبان سے ایک ہی منہ سے صحابہؓ کے عشق کے قصے بھی بیان ہوں اور اہل بیت کے عشق کے قصے بھی بیان ہوں تا کہ پھر امت ان دو پاک ذرائع سے ایک ہاتھ پر اکٹھی ہو جائے۔ یعنی محمد رسول اللہؐ کے عشق میں اور وہی مرکزیت اسلام کو دوبارہ نصیب ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے تو امام حسینؓ کو رتبہ ابنیت کا بھی نہیں دیا تھا۔“

یہ وہ عبارت ہے جس کو لے کر مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو! امام حسینؓ کے خلاف کیسی سخت زبان استعمال کی ہے۔ رتبہ ابنیت کا بھی نہیں دیا تھا۔

کہتے ہیں دیکھو! حضرت محمد رسول اللہؐ کی اولاد میں شمار نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارت پوری پڑھتے تو ان کو پتا چلتا کہ اگلے فقرے میں یہ فرمایا کہ:

"آیت خاتم النبیین بتارہی ہے کہ محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں تو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہی نہیں، صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو جسمانی طور پر محمدؐ رسول اللہ کا بیٹا ہو اور ہر ایک وہ ہے جو روحانی طور پر آپ کا بیٹا بن سکتا ہے۔"

پس یہ تفریق دور کرنے کے لئے ایسا عظیم نکتہ امت محمدیہ کے سامنے پیش فرمایا کہ تم خون کے رشتے سے ابنیت کی باتیں چھوڑ دو کیونکہ قرآن کریم نے ہر رشتے سے ابنیت کی باتیں ختم کر دی ہیں سوائے روحانی رشتے کے۔ رسول کا رشتہ سب سے برابر کا رشتہ ہو جاتا ہے اور اس رشتے سے جو روحانی بیٹا بنے گا اس کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی اور جو روحانی بیٹا نہیں بنے گا ظاہری تعلق بھی اس کا کام نہیں آسکتا۔ یہ وہ مضمون تھا جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا اور ان ملانوں نے کیسے کیسے ظلم کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف یہ غلط باتیں منسوب کیں کہ گویا نعوذ باللہ من ذالك۔ آپؑ کے دل میں نہ صحابہ کی عزت تھی نہ اہل بیت کی تھی۔ اب میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں بتاتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اہل بیت کا کیا مقام تھا اور صحابہ کا کیا مقام تھا۔ فرماتے ہیں:

"حضرت عیسیٰؑ اور امام حسینؓ کے اصل مقام اور درجہ کا جتنا مجھ کو علم ہے دوسرے کو نہیں ہے۔"

اب عیسیٰؑ اور امام حسین کا کیا جوڑ ہے۔ نبیوں میں اپنی جان کی عظیم قربانی پیش کرنے میں عیسیٰؑ کو ایک عجیب مرتبہ اور عجیب مقام حاصل تھا۔ نبیوں میں وہ ایک منفرد مقام ہے جو محمد رسول اللہؐ سے پہلے گزرے ہیں جس طرح جس شان کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ نے حق کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کی ہے

اور صلیب کی اذیتیں قبول کی ہیں۔ پس دیکھیں! ایک عارف باللہ کا کلام کس طرح ان باتوں کو جوڑتا ہے جس طرف ایک ظاہری نظر رکھنے والے کا تصور بھی نہیں جاسکتا۔ فرماتے ہیں:

''عیسیٰؑ اور امام حسینؓ کے اصل مقام و درجہ کا جتنا مجھ کو علم ہے دوسرے کو نہیں ہے کیونکہ جوہری ہی جوہر کی حقیقت کو سمجھتا ہے اس طرح پر دوسرے لوگ خواہ وہ امام حسینؓ کو سجدہ کریں مگر وہ ان کے رتبہ اور مقام سے محض ناواقف ہیں اور عیسائی خواہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا یا خدا جو چاہیں بنا دیں مگر وہ ان کے اصل اتباع اور حقیقی مقام سے بے خبر ہیں اور ہم ہرگز یہ باتیں تحقیر سے نہیں کہہ رہے۔''

ان کی تحقیر مراد نہیں بلکہ امرِ واقعہ بیان کر رہے ہیں کہ مسیح کا جو حقیقی مرتبہ میرے دل پر روشن ہوا ہے اور حسین کا جو حقیقی مرتبہ میرے دل پر روشن ہوا ہے وہ ان کے سجدہ کرنے والوں کے دلوں پر بھی روشن نہیں اور سجدہ کرنا خود بتاتا ہے کہ مقام سے بے خبر ہیں۔ پس اسی فقرہ میں اپنے کلام کی تائید میں ایک محکم دلیل بھی داخل فرمادی۔ وہ شان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''مَیں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع دُنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔''

یہ ہے اعلان حق۔ کوئی پرواہ نہیں کہ سُنّی اس سے خوش ہوتے ہیں یا ناراض ہوتے ہیں حالانکہ آپ اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے اہل تشیع میں شامل نہیں تھے اور مقام تو درحقیقت دونوں سے بالا تھا کیونکہ آپ نے حکم عدل کے طور پر دونوں کے درمیان فیصلے کرنے تھے۔ پس آپ دنیا کے خوف سے بالکل مستغنی اور بالا تھے۔ فرماتے ہیں:

''یزید ایک ناپاک طبع دُنیا کا کیڑا اور ظالم تھا اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مؤمن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی امر سہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے:

''مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں۔''

حضورؑ فرماتے ہیں:

”دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ طاہر و مطہر تھا اور بلاشبہ ان برگزیدوں میں سے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے۔“

یہ حضرت امام حسینؓ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موٴقف ہے اور ایک ایک لفظ بتارہا ہے کہ سچے دل کی آواز ہے جو بے ساختہ اور بلا تکلف دل سے بلند ہو رہی ہے:

”سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلبِ ایمان ہے اور امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کے اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔“

اب دیکھیں ”عملی رنگ“ نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ زبان کے دعوؤں کی بات نہیں ہو رہی۔ زنجیروں سے سینہ کوبی کی بات نہیں ہو رہی۔ فرمایا ہے جو عمل سے اس سے محبت کرتا ہے اور اپنے عمل سے اس کی محبت کو سچا ثابت کر دیتا ہے یعنی حسین کے رنگ اختیار کرتا ہے وہی سنت اپنا لیتا ہے جو حسین کی سنت تھی۔ فرماتے ہیں:

”کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی کے طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔“

کون کون سے ہیں؟ ایمان، اخلاق، شجاعت یعنی بہادری، تقویٰ یعنی خدا خوفی اور اپنی بات پر صبر کے ساتھ قائم ہو جانا اور کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرنا یعنی استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش اپنے دل پر منعکس کرتا ہے اور انہیں اپنا لیتا ہے۔ ”جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوب صورت انسان کا نقش“ اپنے اندر لے

لیتا ہے۔ یہ اپنے اندر لے لیتا ہے کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں اب میں نے وہی مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ دہرائے ہیں جو اس فقرے کے شروع میں تھے:

”یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے“ جو ویسا ہی دل رکھتا ہے ویسا ہی محبت الٰہی میں وہ پاک اور صاف کیا گیا ہے اور محبت کی آگ میں جلایا گیا ہے وہی ہے جو ان لوگوں کے حالات کو جانتا ہے۔ ان کے تجارب سے واقف ہے۔ غیر کی آنکھ، باہر سے دیکھنے والی، اس کی حقیقت کو پہچان نہیں سکتی۔

”دنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی۔“ اب دیکھیں! کیسا عظیم نکتہ ہے اور یہ محبت اور معرفت کی آنکھ سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ مجلسوں میں پڑھا جانے والا نکتہ تو نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

”یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔“

ایک سو سال کے شیعوں کے ماتم ایک طرف اور یہ فقرہ ایک طرف۔ کیسی حقیقت کی روح پر انگلی رکھ دی ہے۔ اس کی شہادت کی یہی وجہ تھی کہ حسینؓ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ مگر افسوس کہ جیسا کہ وہ کل شناخت نہیں کیا گیا تھا ویسا ہی آج بھی شناخت نہیں کیا گیا، ورنہ حسینؓ کے نام پر محمدؐ رسول اللہ کے عشاق سے نفرتوں کی تعلیم نہ دی جاتی اور محمد رسول اللہؐ کے عشاق حسینؓ کا عذر رکھ کر ان سے محبت کرنے والوں سے نفرت کی تعلیم نہ دیتے۔ پس شناخت کا جہاں تک معاملہ ہے خدا کے پیارے تو بعض دفعہ نہ اپنے وقت پر شناخت کئے جاتے ہیں نہ بعد میں شناخت کئے جاتے ہیں۔ مگر وہی ان کو شناخت کرتا ہے جو ویسا دل رکھتا ہے، ویسا مزاج اس کو عطا ہوتا ہے، ویسی ہی فطرت ودیعت کی جاتی ہے۔ وہی ہے جو حقیقت میں شناخت کا حق رکھتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ”یہی وجہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانے میں محبت کی تا حسین رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کی جاتی۔“ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی محبت نہیں کرتا۔ حضرت محمد رسول اللہؐ کی زندگی میں آپؐ کے بڑے بڑے عشاق پیدا ہوئے۔ ہر نبی کے وقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی کچھ عشاق پیدا ہوئے مگر مراد یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ قومی طور پر بڑی تعداد

میں بہت بعد میں آنے والے محبت کی باتیں کرتے ہیں لیکن وہ لوگ یا ان کے مزاج کے لوگ جو اس برگزیدہ کی زندگی میں اس زمانے میں ہوتے ہیں وہ اس کو نہیں پہچانتے اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم نے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق رکھنے والی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تم وہی ہو جنھوں نے موسیٰ کو اذیتیں دیں، تم وہی ہو جو اس زمانے میں نبیوں کو قتل کیا کرتے تھے حالانکہ وہ تو دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ وہ وہ کیسے ہو گئے۔ مراد یہ ہے کہ تم ایسے لوگ ہو کہ تمہاری سرشت ایسی ہے۔ اگر تم اس زمانہ میں ہوتے تو وقت کے مقدس انسان کو پہچان نہ سکتے اور ضرور اس کی دشمنی میں اس کی عزت اور جان کے درپے ہو جاتے لیکن اب تم اس کی محبت کی باتیں کرتے ہو۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کا ذکر فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ جب برگزیدہ لوگوں کی زندگی میں اس وقت سے حصہ پاتے ہیں تو کبھی ان کو پہچان نہیں سکتے اور جب وہ وفات پا جاتے ہیں یا ویسے کسی وجہ سے ان سے دور ہٹ جاتے ہیں، زمانے بدل جاتے ہیں، اس وقت پھر یہ ان کی محبت کے گیت گاتے اور ان کے نام کو اچھالتے ہیں۔

”غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اس شخص کی یا کسی بزرگ کی جو ائمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف کا اس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلّشانہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ جو شخص مجھے بُرا کہتا یا لعن طعن کرتا ہے اس کے عوض میں کسی برگزیدہ اور محبوب الٰہی کی نسبت شوخی کا لفظ زبان پر لانا سخت معصیت سمجھتا ہوں۔“

فرمایا۔ جو مجھے بُرا سمجھتا ہے، مجھ پر لعن طعن کرتا ہے اس کا بدلہ میں معصومین سے نہیں لیتا اور شوخی کے طور پر ان پر اپنا غصہ اتارنا ایک سخت لعنت کی بات سمجھتا ہوں سخت برا سمجھتا ہوں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اس میں کس ایماندار کو کلام ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما خدا کے برگزیدہ اور صاحبِ کمال اور صاحب عفت اور عصمت اور ائمۃ الہدیٰ تھے (یعنی ہدایت کے اماموں میں سے تھے) اور وہ بلاشبہ دونوں معنوں کی رو سے آنحضرتؐ کی آل تھے۔ خون کے لحاظ سے بھی آل تھے اور

روحانی وراثت کے لحاظ سے بھی آل تھے۔ لیکن کلام اس بات میں ہے کہ کیوں آل کی اعلیٰ قسم کو چھوڑا گیا ہے اور ادنیٰ پر فخر کیا جاتا ہے۔ تعجب کہ اعلیٰ قسم امام حسن اور امام حسین کے آل ہونے کی اور کسی کے آل ہونے کی جس کی رو سے وہ آنحضرتؐ کے روحانی مال کے وارث ٹھہرتے ہیں اور بہشت کے سردار کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اس کا تو کچھ ذکر نہیں کرتے اور ایک فانی رشتے کو بار بار پیش کیا جاتا ہے۔“

یہ وہ نقص ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی محبت رکھنے والوں کے تعلق میں بیان فرما رہے ہیں کہ ان کو اس پہلو سے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ ان دونوں کا مرتبہ جس کے نتیجہ میں آنحضرتؐ نے ان کو روحانی طور پر بہت اعلیٰ مراتب پر فائز فرمادیا وہ روحانی تعلق کی بنا پر تھا نہ کہ جسمانی رشتے کی بنا پر۔ آپؐ نے فرمادیا اس سے یہ مراد ہے کہ آپؐ نے ان کے اعلیٰ مراتب کی نشاندہی فرمائی اور ان کی شان میں بہت ہی پاکیزہ اور مقدس خیالات کا اظہار فرمایا۔ ان کو ان اعلیٰ مراتب پر فائز تو خدا نے فرمایا تھا مگر حضرت محمدؐ رسول اللہ کی زبان سے ہم نے اس کا ذکر سنا اس لئے آپؐ جب کہتے ہیں کہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے تو بلا شبہ یہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت محمد رسول اللہؐ پر نازل ہوا ہے ورنہ حضرت محمد رسول اللہؐ اپنی طرف سے تو کسی کو سردارِ بہشت نہیں بنا سکتے تھے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آپؐ کی نظر ان کے روحانی مراتب پر تھی۔ ہر گز اس بات پر نہیں تھی کہ چونکہ میری بیٹی کی اولاد میں سے ہوں گے یا بیٹی کی پشت سے پیدا ہوں گے اس لئے یہ سردارِ بہشت ہیں۔ پس ان کا سرداران بہشت ہونا بتاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کا روحانی ورثہ پایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں اس اعلیٰ بات کا ذکر تم نہیں کرتے اور محرم کے موقع پر یا ویسے مجالس میں خونی رشتے کی باتیں کرتے چلے جاتے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو دوسرے روحانی ورثہ پانے والوں کی طرف بھی محبت کی نگاہ پڑے گی نفرت کی نگاہ ان پر نہیں پڑ سکتی۔ یہی وجہِ تفریق ہے۔ یہی بیماری ہے جس کی نشان دہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی اور جس طرف اب توجہ کرنا ضروری ہے۔

تمام شیعوں کو میری نصیحت ہے کہ وہ اپنی مجالس میں جتنا چاہیں محبت کا اظہار کریں مگر اگر روحانی تعلق سے ایسا کریں تو پھر وہی روحانی تعلق کی باتیں ان کو حضرت ابو بکرؓ سے بھی محبت پر مجبور کر دیں گی، حضرت عثمانؓ سے بھی محبت پر مجبور کر دیں گی، حضرت عمرؓ سے بھی محبت پر مجبور کر دیں گی۔ تمام صحابہؓ کے لئے ان

کے دل میں محبت کے سوا اور کچھ نہیں رہے گا لیکن چونکہ جسمانی رشتے پر زور دیا جاتا ہے اور اس پہلو سے صحابہؓ کو کلیۃً حضرت محمد رسول اللہؐ سے جدا دکھایا جاتا ہے گویا ایک الگ قوم ہے جس کا آپؐ سے اور آپؐ کے مقاصد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے یہ نفرتیں رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں جاگزیں ہوئیں اور پھر بڑھتی چلی گئیں یہاں تک کہ بغضِ صحابہ ان کے ایمان کا حصہ بن گیا اور اس نے پھر یہ ردعمل دکھایا کہ سنّیوں میں بھی سپاہ صحابہ جیسی چیزیں پیدا ہوئیں جن کے اعلیٰ مقاصد میں شیعوں کا خون بہانا اس طرح داخل ہو گیا جیسے اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد صحابہؓ کے دلوں میں داخل تھا۔ صحابہؓ کے دلوں میں اسلام کے خلاف تلوار اٹھانے والوں کے مقابل پر جہاد کا ایک جوش پایا جاتا تھا لیکن یہ ایک دفاعی جہاد تھا۔ اس میں نفرتوں کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ ان نفرتوں کے خلاف جہاد تھا جن نفرتوں کا صحابہؓ کو نشانہ بنایا جارہا تھا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نشانہ بنایا جارہا تھا لیکن جو آج ہم دیکھ رہے ہیں وہ بالکل برعکس قصّہ ہے سپاہِ صحابہ کے دل میں شیعوں کی نفرت ہے جو موجزن ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں میں سے کسی کا قتل یا ان میں سے کسی مجلسی کا قتل کرنا نہ صرف یہ کہ اللہ کے حضور ان کے لئے اعلیٰ مراتب کا ضامن ہو جائے گا بلکہ بعض ان میں سے مولوی یہ بیان کرتے ہیں کہ تم اگر ایسا کرو گے اور اس کوشش میں تم مارے جاؤ تو تم سردارانِ بہشت میں سے شمار ہو گے۔ تم دیکھنا کہ کیسے کیسے پاک وجود تمہارے استقبال کی خاطر جنت کے دروازوں تک آتے ہیں۔ ایسے ایسے لغو قصے بیان کئے جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ان قصوں کے ماننے والے دماغ کس قسم کے ہوں گے۔ مگر ہمارے ملک میں بدقسمتی سے جہالت بہت ہے اور یہی جہالت ہے جو اس تفریق کو مزید ہوا دے رہی ہے اور ان فاصلوں کو بڑھا رہی ہے۔

پس محرم میں محبت کی اور باہم رشتوں کو باندھنے کی تعلیم دینی ضروری ہے اور جیسا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے حقیقت یہ ہے کہ اول زور روحانی تعلق پر دینا ضروری ہے اور پھر جسمانی طور پر اگر تعلق ہے تو اس تعلق میں اضافہ ہو گا کمی نہیں ہو سکتی۔ یعنی جسمانی تعلق سونے پر سہاگے کا کام دے گا لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے روحانی تعلق قائم ہو اور روحانی تعلق پر زور دیا جائے پھر زائد کے طور پر جب جسمانی رشتہ دکھائی دے گا تو لازماً سب کو محبت ہو گی۔

پس سنّیوں کو بجائے اس کے کہ نفرتوں کی تعلیم دیں اور ان کے جلوسوں پر حملہ آور ہوں اور طرح طرح سے ان کی راہیں روکیں یا کاٹیں یا ان پر بم پھینکیں یا زبان سے گندی گالیوں کی گولہ باری کریں۔ ان کا فرض ہے کہ ایسے موقع پر ان سے بڑھ کر صحابہؓ کے عشق کی باتیں کیا کریں اور ان میں حضرت محمد رسول اللہؐ کے اہلِ بیت کو جو صحابہ کا مرتبہ بھی رکھتے تھے، روحانی وارث بھی تھے اور روحانی وارثوں میں بھی بہت بلند مقام پر فائز تھے ان کا ذکر بھی کریں اور دوسرے صحابہؓ کا ذکر بھی کریں۔ صدیقوں کا ذکر بھی کریں اور شہیدوں کا ذکر بھی کریں اور کثرت سے درود اور سلام کی مجلسیں لگائیں اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو یہی دن کتنی برکت کے دن بن سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ دونوں طرف سے ان دنوں کو نفرتیں پھیلانے کے لئے استعمال کیا جائے۔ دونوں ایک دوسرے کی نیکی کی باتوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور یہ بتائیں دنیا کو کہ ہم محمد رسول اللہؐ کے عشاق سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔ ہم اہل بیت سے دوسروں کی نسبت زیادہ پیار رکھنے والے ہیں۔ اہل بیت کے ترانے اگر سارے سنّی گانے شروع کر دیں تو شیعوں کی آواز کو اس آواز میں ڈبو سکتے ہیں اور زیادہ عشق کے ترانے گائیں۔ ان سے بلند تر آواز میں اور ان کو بتائیں کہ محبت کی باتیں ہی کافی ہیں نفرت کی باتیں بیان کرنا ضروری نہیں .... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حکم عَدل بن کر آئے تھے وہ سلیقہ سکھا رہے ہیں کہ دیکھو! اس طرح صحابہؓ کی بھی تعریف کرو۔ اس طرح اہل بیت کی بھی تعریف کرو۔ ان پر بھی درود بھیجو۔ ان پر بھی درود بھیجو۔ یہی ایک ذریعہ ہے امت کے اکٹھا ہونے کا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”یقیناً ہمارے نبی خیر الوریٰؐ ہمارے رب اعلیٰ کی دونوں صفات رحمانیت اور رحیمیت کے مظہر تھے پھر صحابہ رضوان اللہ علیھم حقیقت محمدیہ جلالیہ کے وارث ہوئے جیسا کہ پہلے تجھے معلوم ہو چکا ہے۔“

اب ان صحابہؓ کے ذکر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اہلِ بیت یعنی خونی رشتے کے ذریعے منسلک اور دوسروں سب کا اکٹھا ذکر فرما رہے ہیں اور تمام صحابہؓ کی تعریف فرما رہے ہیں اس میں نعوذ باللہ

اہل بیت اس تعریف سے خارج نہیں ہوئے بلکہ جیسا کہ پہلے میں حوالہ دے چکا ہوں اول طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہیں۔ فرماتے ہیں:

”پھر صحابہ حقیقت محمدیہ جلالیہ کے وارث ہوئے جیسا کہ تجھے معلوم ہو چکا ہے ان کی تلوار مشرکین کی جڑ کاٹنے کے لئے اٹھائی گئی اور مخلوق پرستوں کے ہاں ان کی ایسی کہانیاں ذکر ہیں جو بھلائی نہ جا سکیں گی۔ انہوں نے صفت محمدیہ کا حق ادا کر دیا۔“

اب صفت محمدیہؐ کو صحابہؓ میں رائج فرمایا ہے۔ یہ ایک بہت ہی اہم نکتہ ہے۔ وہ تمام صفات حسنہ جو خونی رشتوں میں تعلق رکھنے والے اہل بیت میں تھیں یا محض روحانی رشتہ میں بندھے ہوئے صحابہؓ میں تھیں وہ تمام خوبیاں نہ اِن کی ذاتی تھیں، نہ اُن کی ذاتی تھیں وہ صفت محمدیہؐ کے ان میں جاری ہونے کے نتیجہ میں تھیں۔ جو اس نکتہ کو سمجھ جائے وہ ایک کے مقابل پر دوسرے سے نفرت کر ہی نہیں سکتا کیونکہ صفت محمدیہؐ کی طرف پیٹھ دکھا کر صفت محمدیہؐ سے محبت نہیں کی جا سکتی۔ صفت محمدیہؐ پر حملہ آور ہوتے ہوئے صفت محمدیہؐ کے عشق کے گیت نہیں گائے جاسکتے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس اعلیٰ پیرائے میں حضرت محمد رسول اللہؐ کی سیرت ہی کو صحابہ میں جلوہ گر دکھایا۔ فرمایا ہے وہاں بھی سیرت محمدیہؐ کام کر رہی ہے۔ اے سیرت محمدیہؐ کے عشاق! کیا تم سیرت محمدیہ سے دشمنی کرو گے؟

پس جہاں صفتِ محمدی کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ وہاں اہل بیت یا غیر اہل بیت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اگر حسن ہے تو محمدؐ کا حسن ہے۔ سیرت ہے تو محمدؐ کی سیرت ہے اور صحابہ میں اگر کوئی مدح کی بات پائی جاتی ہے تو محمدؐ رسول اللہ کی سیرت کو اپنانے کے نتیجے میں ہے اور بعینہٖ یہی وجہ فضیلت کی اہل بیت میں پائی جاتی ہے اس کے سوا کوئی وجہ نہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو اور ان کے تابعین کو اسم محمدؐ کا مظہر بنایا اور ان کے ذریعے رحمانی جلالی شان ظاہر کی اور انہیں غلبہ عطا کیا اور پے در پے نعمتوں کے ذریعہ ان کی نصرت فرمائی۔“

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ رضوان اللہ علیہم کے ذکر میں فرماتے ہیں:

”صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں تو یقین کے چشمے جاری تھے اور وہ خدائی نشانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور انہی نشانوں کے ذریعہ سے خدا کے کلام پر انہیں یقین ہو گیا تھا اس لئے ان کی زندگی نہایت پاک ہو گئی تھی۔“

اب یہ وہ حصہ ہے جس کی کمی کی وجہ سے ساری امت کہلانے والی امت میں یعنی رسول اللہؐ کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں میں فساد پھیلا ہوا ہے۔ یعنی یہ وہ نکتہ ہے جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے جس پر عمل نہ کرنے کے نتیجہ میں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ انہوں نے محمد رسول اللہؐ میں خدائی نشان دیکھے اور اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس ذریعہ سے خدا کے کلام پر انہیں یقین ہو گیا تھا اس لئے ان کی زندگی نہایت پاک ہو گئی تھی۔ پس جنہوں نے الٰہی نشان دیکھے ہوں لازم ہے کہ ان کی زندگی پاک ہو اور پاک زندگیوں میں یہ بدنمونے دکھائی نہیں دے سکتے جو محرم کے دنوں میں آپ دیکھتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ پاک دلوں سے دوسرے پاکوں کے خلاف نفرت اور بغض کے کلمے اس طرح نکلیں جس طرح پھوڑے سے پیپ نکلتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پاک وجود صحت مند وجود ہوتا ہے۔ اس میں گندی پیپ کے پالے ہوئے پھوڑے نہیں ہوا کرتے۔ پس جب بھی صحابہؓ کے خلاف شیعوں کی مجالس میں سخت قسم کی ظالمانہ زبان استعمال کی جاتی ہے تو یہ دلوں کے پھوڑے ہیں جو سارا سال پکتے رہتے ہیں اور وہ پیپ اس وقت پھٹ کر اچھل اچھل کر باہر نکلتی ہے اور بہت ہی بدبودار مواد ہے جو باہر نکل کر گلیوں میں آتا ہے اور ساری فضا کو یہ بدبودار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف مقابل کو دیکھیں۔ اگر وہ ان کے مقابلہ کرنے والے بھی رسول اللہؐ کی سچائی کے نشان دیکھ کر اپنے دلوں کو پاک کر چکے ہوتے تو ایسے موقع پر استغفار سے کام لیتے۔ گند کا جواب گند سے نہ دیتے بلکہ ان کے لئے دعا گو ہو جاتے۔ ان پر زیادہ رحم اور شفقت کرتے، ان کو سمجھانے کے لئے سارا سال کارروائیاں کرتے اور دلائل کی دنیا میں ان کو گھسیٹ کر لاتے اور دلائل کے میدانوں میں یہ فیصلے کرتے۔ بجائے اس کے کہ تلوار کے میدان میں ایسے فیصلے کئے جائیں۔

پس ادھر بھی وہ پاک نمونے نہیں ہیں ادھر بھی وہ پاک نمونے نہیں ہیں اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اگر حضرت محمد رسول اللہؐ سے سچا تعلق باندھنا ہے تو اس امام سے تعلق باندھے بغیر یہ سچا تعلق قائم نہیں ہو سکتا جو امام ان پیش گوئیوں کے مطابق آیا ہے جو محمد رسول اللہؐ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں وہ تعلق جو تیرہ سو سال میں تم کاٹ بیٹھے۔ وہ تعلق تیرہ سو سال کے بعد دوبارہ جوڑنے کے وقت آئے اور آسمان سے وہ رسی نیچے کی گئی جس رسی سے ہاتھ جدا ہو چکے تھے۔ اب ایک ہی راہ ہے کہ اس رسی کو دوبارہ مضبوطی سے پکڑ لو اور پھر حضرت محمد مصطفیؐ کے دامن میں پناہ لے لو اس پناہ کے سوا اور کوئی پناہ نہیں ہے اور یہ پناہ امام وقت کے انکار کے ذریعہ میسر نہیں ہو سکتی۔ یہ پناہ صرف اس صورت میں نصیب ہو سکتی ہے اگر امام وقت کو تسلیم کرو۔ اس سے محبت کا رشتہ باندھو۔ کیونکہ یہی محبت کا رشتہ سلسلہ وار خدا تک پہنچے گا۔ محمد مصطفیؐ کی سچی محبت تمہارے دلوں میں پیدا کرے گا۔ صحابہؓ کی سچی محبت کے سلیقے تمہیں سکھائے گا۔ اہل بیت کی سچی محبت کی روح تمہیں عطا کرے گا۔ یہ صاحبِ عرفان محبت ہو گی جس کے نتیجے میں پاک عمل پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسی محبت ہو گی جس کے نتیجہ میں دل پاک کئے جاتے ہیں اور پاک دل ایک دوسرے سے نفرت نہیں کیا کرتے۔ پاک دل آپس میں بٹ نہیں جایا کرتے بلکہ ایک ہاتھ پر جمع ہو جاتے ہیں اور امتِ محمدیہؐ کو دوبارہ ایک ہاتھ پر جمع کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے جس امام کو بھیجا ہے وہی ان روحانی رشتوں کا ضامن بن کر آیا ہے۔ وہی ان روحانی رشتوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی بن کر بھیجا گیا ہے۔ تم اس کی ندا پر کان دھرو اور اطاعت اور محبت کے ساتھ اس کے حضور اپنے دلوں کو ان معنوں میں جھکا دو کہ جس طرف وہ بلاتا ہے وہ دل لپکتے ہوئے لبیک کہتے ہوئے اس طرف دوڑیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرف وہ ان دلوں کو بلا رہا ہے یعنی تم سب کے دلوں کو وہ محمد رسول اللہؐ کا رستہ ہے وہ خدا کا رستہ ہے اور کسی کا نہیں اس کے سوا اور کوئی رستہ نہیں۔ اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔ اسی سے وحدت ملّی عطا ہوتی ہے۔ اسی سے تفرقے پھر وحدت کی لڑیوں میں پروئے جاتے ہیں۔

پس آپ سب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر لبیک کہیں اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دور کی باتیں ہیں تو ان نصیحتوں پر تو عمل کریں یا بتائیں کہ ان میں کیا نقص ہے۔ ان سے بہتر بات تو پیش کر کے دکھائیں۔ آپ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی ہیں جو حکم عدل بن کر

آئے تھے اور تمہارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنے والے تھے اب آپ کے فیصلے میں نے تمہیں سنا دئے ہیں۔ ان فیصلوں سے بہتر فیصلے کر کے تو دکھاؤ۔ بتاؤ تو سہی کہ اس سے زیادہ اور کون سی پاک اور موئثر راہ ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کے بٹے ہوئے دلوں کو پھر ایک ہاتھ پر اکٹھے کر سکتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا اب تمہارے اختیار کی یا ہاں یا نہ کی بات نہیں رہی۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ سچا امام جن رستوں کی طرف بلاتا ہے ان رستوں سے انکار خود کشی کے مترادف ہو جایا کرتا ہے۔ تو انکار کرو گے بھی تو باتیں وہی ماننی پڑیں گی جو حضرت مسیح موعودؑ کہتے ہیں۔ ان باتوں سے بہتر باتیں تمہارے فرشتے بھی سوچ نہیں سکتے کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے جو حضرت محمد رسول اللہؐ کے ذریعہ آپؐ کی برکتوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل پر نازل ہوا۔ جو وحدت کے رستے آپؑ نے بتائے ہیں ان کے سوا اور کوئی وحدت کا رستہ نہیں۔ پس اس رستے سے آؤ یا اس رستے سے آؤ، طوعاً آؤ یا کرہاً آؤ۔ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اگر بیعت نہیں کرنی تو باتوں کو تو لازماً ماننا پڑے گا اور اگر نہیں مانو گے تو اسی طرح بٹے رہو گے۔ اسی طرح ایک دوسرے کے خلاف نفرتوں کی تعلیم دیتے رہو گے۔ نفرتوں کی منادی کرتے رہو گے اور ہر سال بجائے اس کے کہ محرم امت محمدیہؐ کو ایک کرنے کا عظیم الشان نظارہ دکھائے ہر سال یہ محرم آپ لوگوں کو اور زیادہ متفرق کرتا چلا جائے گا۔ آپ کے دلوں کو اور زیادہ پھاڑتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عقل دے، ہوش دے اور وہ سچی باتیں جو ایک صاف اور پاک دل کو صاف دکھائی دیتی ہیں۔ کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ سچ تو خود اس طرح بولتا ہے کہ مومن کی پیشانی سے برستا ہے۔ سچ تو خود اس طرح بولتا ہے جیسے مشک خوشبو دیتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں میں وہ سچائی ہے جو مومن کی پیشانی کے نور کی طرح آپ کے چہرے سے برس رہی ہے۔ آپ کی باتوں میں وہ سچائی ہے جو مشک کی طرف خوشبو رکھتی ہے اور خود بخود اٹھتی ہے اور فضا کو مہکا دیتی ہے۔ پس ان باتوں پر غور سے کان دھرو اور ان کو اپنے دلوں میں جگہ دو۔ یہی ایک رستہ امت کو دوبارہ وحدت کی لڑیوں میں پرونے کا رستہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی رستہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 جون 1993ء، خطبات طاہر جلد 13 صفحہ 447-466)

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچہِ آل محمد است
ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دھم
یک قطرۂ ز بحر کمال محمد است

۞۞۞۞

﴿5﴾ ﴿مشاہدات۔453﴾

اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الروم:22)

ترجمہ: اور اس کے نشانات میں سے (یہ بھی) ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم اُن کی طرف تسکین (حاصل کرنے) کے لئے جاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں ایسی قوم کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں بہت سے نشانات ہیں۔

مرد و زن دونوں ہوں ہم خیال و ہمرکاب
ازدواجی زندگی ہے کامگار و کامیاب

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سیرت اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہے۔

اگر ہم تاریخ اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو ہمیں ایسی عظیم ہستیاں نظر آتی ہیں جن کی حیات طیبہ کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی جائے تو یہ کہنا حق بجانب ہو گا کہ وہ ہستیاں ہمارے لئے نمونہ عمل بن سکتی ہیں۔ انہی مکرم ہستیوں میں سے ایک مثالی ہستی کا نام نامی، اسم گرامی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا ہے۔ آپ سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات ہیں، یوں تو آپؓ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں لیکن نمایاں وصف یہ ہے کہ اپنے مقدس شوہر کی ہر خوشی و غم میں شریک رہنے والی تھیں، سید الانبیاء محبوبِ کبریا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو یہ بغیر کسی توقف کے ایمان لائیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عام الفیل سے تقریباً پندرہ سال پہلے اور ہجرت نبوی سے اڑسٹھ سال قبل پیدا ہوئیں، سن عیسوی کے اعتبار سے یہ چھٹی صدی کا نصف یعنی تقریباً 555یا556 عیسوی بنتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ آپ کا شجرہ نسب تیسری پیڑی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد مشہور اور امیر تاجر تھے۔ آپ شروع سے ہی ہمدرد، غریب پرور، اور بلند اخلاق کی مالک خاتون تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ سنِ بلوغت میں آپ طاہرہ یعنی پاکیزہ کے لقب سے جانی جاتی تھیں۔ آپؓ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ روایات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد سے پہلے حضرت خدیجہؓ کی یکے بعد دیگرے دو شادیوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک شادی بنو مخزوم کے گھرانے کے معزز شخص عتیق بن عائذ سے ہوئی جو جلد وفات پا گئے اور جن سے ایک لڑکی ہند نامی پیدا ہوئی۔ حضرت خدیجہؓ کی دوسری شادی مالک بن نبّاش سے ہوئی۔ بعض روایات میں مذکورہ بالا شادیوں کی ترتیب بر عکس بھی مذکور ہے۔ حضرت خدیجہؓ کے مالک سے دو بچے ہوئے۔ ایک کا نام ہند اور دوسرے کا ہالہ تھا۔ جس کی نسبت سے اس کے والد مالک کی کنیت ابوہالہ معروف تھی۔ ہند نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں تربیت پائی اور حالت اسلام میں ان کی وفات ہوئی۔

(طبرانی جلد22 صفحہ 448)

ہند کہا کرتے تھے کہ میرے والدین اور بھائی بہن سب لوگوں سے زیادہ معزز ہیں کیونکہ میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، والدہ حضرت خدیجہؓ، بھائی قاسم بن محمدؐ اور بہن فاطمہ بنت محمدؐ ہیں۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد1 صفحہ 303)

(اہلِ بیتِ رسولؐ، ازواج النبیؐ صفحہ 29-30 از حافظ مظفر احمد)

آپ رضی اللہ عنہا کے دوسرے شوہر بھی زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے اور چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے تھے۔ آپؓ کے والد کی بھی وفات آگے پیچھے ہوئی اور آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آپ کے والد تجارت کیا کرتے تھے انکی وفات کے بعد ساری ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہا پر آن پڑی۔ آپ نے یہ ذمہ داری خوب فراست اور بصارت سے ادا کی۔

(بحوالہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 7)

سامعین! جیسا کہ حضرت خدیجہؓ نے اپنے خاوند اور والد کی وفات کے بعد کاروبار سنبھال لیا تھا لیکن ایک خاتون ہونے کی وجہ سے تجارتی معاملات میں سفر کرنا دشوار بلکہ ناممکن تھا اس لیے کسی کو بطور نیابت سامانِ تجارت دے کر روانہ کرتیں۔ آپ کے تجارتی نمائندوں کی دو صورتیں تھیں یا وہ ملازم ہوتے، اُن کی اُجرت یا تنخواہ مقرر ہوتی جو اُنہیں دی جاتی، نفع و نقصان سے اُنہیں کوئی سروکار نہ ہوتا۔ یا نفع میں اُن کا کوئی حصّہ، نصف، تہائی یا چوتھائی وغیرہ مقرر کر دیا جاتا اگر نفع ہوتا تو وہ اپنا حصّہ لے لیتے جبکہ نقصان کی صورت میں ساری ذمہ داری حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر ہوتی۔ کچھ عرصہ تک معاملات یونہی چلتے رہے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہا کے کانوں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و صداقت کا چرچا پہنچا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سامانِ تجارت لے کر ملک شام جانے کی درخواست کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام مَیسرہ کو آپؐ کے ساتھ بھیجا اور خصوصی ہدایت کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی معاملے میں دخل اندازی نہ کرے۔ اس تجارتی سفر میں اللہ تعالیٰ نے بے حد برکت دی اور نفع پہلے سے بھی دوگنا ہوا، چونکہ میسرہ دورانِ سفر قریب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ اخلاق، معصومانہ سیرت کا تجربہ اور معاملہ فہمی کا مشاہدہ کر چکا تھا اس لیے اس نے برملا اس کا اظہار کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت معاملہ فہم، تجربہ کار، خوش اخلاق، دیانت دار، ایماندار، شریف النفس اور مدبّر شخص ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس پہنچ کر تجارتی معاملات کا عمدہ حساب پیش کیا، جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت متاثر ہوئیں۔

(طبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 131)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا فیصلہ کیا۔ اُمُّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یعلیٰ بن اُمیہ کی بہن نفیسہ بنت امیہ پیغام نکاح لے کر گئیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورے کے بعد قبول کر لیا۔ حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح چار سو درہم حق مہر پر پڑھایا۔ حضرت ابو طالب نے خطبہ نکاح میں کہا کہ ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کھیتی اور معد کی اصل اور مضر کی جڑ میں سے پیدا کیا اور ہمیں اپنے گھر کی حفاظت کرنے والے اور حرم کی دیکھ بھال کرنے والے بنایا اور ہمارے لئے ہر قسم کی گندگی و برائی سے محفوظ گھر اور امن والا حرم بنایا اور ہمیں لوگوں پر حکومت عطا کی۔ پھر یاد رکھیے کہ میرا یہ بھتیجا محمد بن عبد اللہ اس صفت کا حامل ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو بھی وزن کیا جائے تو یہ بڑھ جائے گا۔ یہ اگرچہ مال میں قلیل ہے (لیکن کیا ہوا) مال تو ڈھلتی چھاؤں اور بدلنے والی چیز ہے۔ محمد وہ ہیں جن کی (ہم سے) رشتے داری کو آپ لوگ پہچانتے ہیں، انہوں نے خدیجہؓ بنت خویلد کو پیام نکاح دیا ہے اور اس کے بدلے مہر بھی دینا طے کیا ہے۔ وہ ادھار ہو یا نقد، میرے مال سے ہو گا۔ خدا کی قسم! اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چرچے اور ایک عظیم شان ہو گئی۔"

(الوفا بتعریف فضائل المصطفٰی لابن الجوزی جلد 1 صفحہ 108)

اس نکاح کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی لیکن ظاہری فرق اور عمروں کے تفاوت کے باوجود یہ رشتہ بہت کامیاب ثابت ہوا۔ یہ کوئی عام شادی نہیں تھی بلکہ اس رشتہ میں الٰہی تقدیر کار فرما تھی جس کا ایک قابل ذکر پہلو یہ تھا کہ جو عظیم الشان ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والی تھی اُس میں حضرت خدیجہؓ جیسی باثر اور پختہ عمر والی خاتون نے ہی آپؐ کا معاون اور مددگار بننا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ یہ شادی خالصتاً اعلیٰ مقاصد اور اخلاقِ فاضلہ کی بنا پر طے ہوئی اور یہی اس کی کامیابی کا راز تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے شادی کے وقت ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا تھا کہ مَیں آپ کے حسنِ اخلاق اور سچائی کو پسند کرتی ہوں اور یہ محبت اور اعتماد شادی کے بعد مضبوط تر ہوتا گیا۔

سامعین! رسول اللہ کے حلقہ زوجیت میں آنے کے بعد آپؓ نے اپنا سب کچھ، مال، جائداد اور غلام پیغمبر خدا کے سپرد کر دیا۔ آپ نے یہ انتظار نہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پوچھیں بلکہ انکے جذبات اور احساسات کا خیال کرتے ہوئے اپنی خوشی سے درخواست کی کہ یہ سب کچھ آپؐ کا ہے۔ آپؐ جو چاہیں کریں۔ اس بارے میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ "حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں روپے رکھنے والی خاتون نہیں تھیں بلکہ لاکھ پتی

خاتون تھیں۔ لیکن خاوند کے احساسات کا ایسا خیال تھا کہ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ کا حساس دل ایسی زندگی میں لطف نہیں پائے گا کہ آپؐ کی بیوی مالدار ہو اور آپؐ بیوی کے محتاج ہوں تو محبت سے اپنا سارا مال و اسباب رسول اللہؐ کو خدمت میں پیش کرتے ہوئے فرمانے لگیں کہ آپؐ میری پیشکش کو قبول فرما کر میری دلجوئی فرمائیں اور جب اور جیسے چاہیں خرچ کریں۔"

(اجتماع لجنہ اماء اللہ 1952ء)

چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا "حضرت خدیجہؓ نے اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب باقی لوگوں کو اس کی توفیق نہیں ملی۔"

(مسند احمد جلد 6 صفحہ 118)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے سے قبل خلوت نشینی کو پسند فرمانے لگے تھے، چنانچہ آپ کئی کئی روز غارِ حرا میں مقیم رہتے تو حضرت خدیجہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے انتظامات میں مشغول رہتی تھیں، جب آپؐ کے غارِ حرا تشریف لے جاتے اُس وقت توشہ سفر باندھ کر ساتھ دیتیں اور بسا اوقات ضرورت پڑنے پر گھر سے کھانا تیار کر کے غار تک پہنچانے تشریف لے جاتی تھیں۔ ایک بار جب آپؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا لے کر غارِ حرا جارہی تھیں تو حضرت جبرائیلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب حضرت خدیجہؓ آپ کے پاس تشریف لائیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کا اور میرا سلام کہیے گا اور انہیں جنت میں ایسے مکان کی بشارت دیجیے جو موتیوں کا بنا ہوگا، جس میں نہ شور و شغب ہوگا اور نہ ذرا بھر کوئی تکلیف ہوگی۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة)

حضرت خدیجہؓ نے جو جواب دیا اس سے اُن کی عقل و ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تو خود سلام ہے اور جبرائیلؑ کو بھی سلام ہو۔

(طبرانی کبیر جلد 23 صفحہ 25)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک عظیم المرتبت خاتون تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد خدمت کرتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے خلاف کوئی کام کرنا پسند نہیں کرتی

تھیں۔ آپؐ کے معاملات میں بے جا مداخلت نہ کرتیں، آپؐ کے آرام کا بہت زیادہ خیال رکھتیں۔ حضورؐ کا ہر کام بڑی خوشی سے کرتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بچھانے میں فخر محسوس کرتیں۔ وضو کا پانی خود لا کر دیتیں، خود آٹا پیستیں، گوندھتیں اور روٹی پکایا کرتیں۔

معزز سامعین! مثل مشہور ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ قطع نظر اس کی درستی کے، البتہ یہ ضرور ہے کہ ”عورت“ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے روپ میں مرد کا جو سہارا بنتی ہے، اس کے گھر کے بوجھ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیتی ہے، اسے بہت سی فکروں سے آزاد اور کئی جھمیلوں سے مطمئن کر دیتی ہے، یہ عناصر ضرور مرد کی کامیابی کے سفر کو آسان اور سہل کر دیتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منصبِ نبوت کی اہم ذمہ داری عائد ہوئی اور آپؐ پہلی وحی کے نزول کے بعد گھر تشریف لائے تو یہ آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں، جن کے تسلی آمیز کلمات نے آپ کی ڈھارس بندھائی اور ان کے حوصلہ افزا کلمات نے آپ کو امید دلائی تھی، پھر اپنے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفلؓ کے پاس لے جا کر ان سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی اطمینان میں اضافہ کرایا۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ جب غارِ حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ظاہر ہونے پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر گھر تشریف لائے تھے تو اس گھبراہٹ کے وقت بھی حضرت خدیجہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب تسلی دیتے ہوئے کہا: ”آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ کی قسم! ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ آپ کو بے سہارا کر دے۔ آپ تو رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ آپ سچ بولتے ہیں۔ عاجز محتاج کی مدد کرتے ہیں۔ غریبوں کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق والے مصیبت زدوں کے کام آتے ہیں۔“ پھر حضرت خدیجہؓ کی خواہش پر اُن کے چچازاد ورقہ بن نوفل جو عیسائی مذہب کا کافی علم رکھتے تھے، نے سارا ماجرا سنا تو کہا: ”خوش ہو جاؤ، یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہ سکوں، جب آپ کی قوم آپ کو مکہ مکرمہ سے نکالے گی۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے دریافت فرمایا: ”کیا ایسا ہو گا؟“ تو ورقہ نے جواب میں کہا: ”جی ہاں! جب کبھی آپ جیسا دین لے کر کوئی نبی آیا تو ضرور اس سے دشمنی کی گئی۔“

(بخاری کتاب بدء الوحی)

حضرت ام المومنینؓ کے مندرجہ بالا واقعے سے ان کی سمجھداری، فہم و فراست، ایمان کی مضبوطی، یقین کی پختگی، ثابت قدمی اور بیدار قلبی کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ہر مشکل گھڑی میں آپ کا ساتھ نبھایا اور آپ کو کبھی تنہا و اکیلا نہیں چھوڑا۔ آپؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پریشانیاں حضرت خدیجہؓ کے سامنے ذکر کرتے اور وہ اسلام کے سلسلے میں آپ کی سچی و مخلص مشیر کار تھیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام 416)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی بھی مشرکین کی طرف سے کوئی صدمہ پہنچتا تو حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا۔ وہ آپؐ کی باتوں کی تصدیق کرتیں۔ اس تکلیف دہ زمانے میں حضرت خدیجہؓ نے آنحضورؐ کا ساتھ دیا۔ کبھی فرماتیں "یارسول اللہ! بھلا کبھی ایسا رسول بھی آج تک آیا ہے جس سے لوگوں نے تمسخر نہ کیا ہو"۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمایا کرتے تھے کہ "مَیں جب کفار سے کوئی بات سنتا تھا اور وہ مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تھی تو میں خدیجہ سے کہتا وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا ہو"

(بحوالہ مطہر عائلی زندگی صفحہ 20)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے بعد آپ کی سب سے پہلی تصدیق حضرت خدیجہؓ نے کی اور بالاتفاق آپؓ علی الاطلاق مردوں و عورتوں میں سب سے پہلی مسلمان ٹھہریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں ارشاد فرمایا:-"وہ میرے اوپر اس وقت ایمان لائیں، جب لوگوں نے میرا انکار کیا، انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے اپنے مال سے میرے ساتھ اس وقت ہمدردی کی جب لوگوں نے مجھے محروم رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا فرمائی۔"

(مسند احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت خدیجہؓ سے اولاد ہوئی، جن میں دو بیٹے حضرت قاسم اور حضرت عبد اللہ ہیں، جو بچپن میں فوت ہو گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت زینبؓ،

حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہ ہیںؓ۔ آپؐ کے بیٹے اوائل عمر میں ہی وفات پا گئے تھے جبکہ بیٹیاں بڑی ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ سنجیدہ مزاج، ذہین، فیاض اور غم گسار خاتون تھیں۔ اس دور میں جب ملک عرب میں ہمدردی اور شفقت کا فقدان تھا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مال کا وافر حصّہ بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حقوق العباد کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ ”کون ہے جو اللہ کو قرضہ حسنہ دے تا کہ وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے (البقرہ:246) اسی وعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے انکی نیکیوں کے بدلے انکو بے انتہا اور بے حساب مال سے نوازا اور یوں عرب میں آپ ایک مالدار، سخی اور نیک عورت کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص فہم اور دینی بصیرت سے نوازا تھا۔ آپ نے خدا کے پیغام کو نہ صرف روشن دلی سے قبول کیا بلکہ ساری عمر اس پیغام کو پھیلانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ رہیں۔ آپ نے اپنی اگلی نسل کی تربیت بھی اس رنگ میں کی کہ خدا کی وحدانیت سے محبت اور شرک سے بیزاری پیدا ہو۔ آپ نے انکو بچپن سے ہی خدا ترسی کا سبق سکھلایا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مفہوم سمجھایا۔ آپ کی عظیم الشان تربیت اور گھر کے روحانی ماحول نے بچوں کی تمام صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ اپنی والدہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے کیا وہ ہمیں نظر آ سکتا ہے؟ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمال شفقت سے فرمایا ”اگر ہم اللہ کی عبادت کریں اور اسکی مخلوق سے محبّت کریں تو قیامت کے دن ہم ضرور اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے۔“

(سیرت فاطمہ الزہرہ صفحہ 32)

سامعین! حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی آپؐ نے کئی سال تک دوسری شادی نہیں کی اور ہمیشہ محبت اور وفا کے جذبات کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا محبت بھرا سلوک یاد کیا۔ آپؐ کی ساری اولاد جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھی اس کی تربیت و پرورش کا خوب لحاظ رکھا۔ نہ صرف ان کے حقوق ادا کئے بلکہ خدیجہؓ کی امانت سمجھ کر ان سے کمال درجہ محبت فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ کی آواز کان میں پڑتے ہی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور خوش ہو کر فرماتے۔ خدیجہؓ کی بہن ہالہ آئی ہے۔

گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو اُس کا گوشت حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بھجوانے کی تاکید فرماتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مَیں نے ایک دفعہ اس کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا ’’خدیجہ کے پیارے بھی مجھے پیارے لگتے ہیں‘‘۔ حضرت عائشہؓ کی ہی ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک بُڑھیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئی۔ آپؐ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا مزینہ قبیلہ کے پڑوس سے آئی ہوں۔ پھر وہ جب بھی آتی حضورؐ اُس کی بہت عزت کرتے، بہت خوش ہوتے اور اُس کا بڑا احترام کرتے، پوچھتے کیسی ہو؟ کیا حال ہے، ہمارے بعد تمہارے دن کیسے گزرے۔ ایک دفعہ مَیں نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! اس بڑھیا پر آپؐ کی اتنی شفقت اور توجہ کی کیا وجہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’یہ بُڑھیا حضرت خدیجہؓ کے زمانے میں ہمارے گھر آیا کرتی تھی اور وفا بھی تو ایمان کا حصہ ہے۔ مَیں اِس بُڑھیا کے ذریعہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ بیتے لمحات یاد کرلیتا ہوں‘‘۔

(اہلِ بیتِ رسولؐ از حافظ مظفر احمد، ازواج النبیؐ صفحہ 40)

آپؐ خدیجہؓ کی وفاؤں کے تذکرے کرتے تھکتے نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

’’مجھے کبھی کسی زندہ بیوی کے ساتھ اتنی غیرت نہیں ہوئی جتنی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہوئی حالانکہ وہ میری شادی سے تین سال قبل وفات پاچکی تھیں۔‘‘ کبھی تو میں اُکتا کر کہہ دیتی یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں اب اس بڑھیا کا ذکر جانے بھی دیں۔ آپؐ فرماتے ’’نہیں نہیں! خدیجہ اس وقت میری سپر بنیں جب میں بے یار و مددگار تھا۔ وہ اپنے مال کے ساتھ مجھ پر فدا ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا کی۔ انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے جھٹلایا۔‘‘

(مسلم کتاب الفضائل، فضائل خدیجہ۔ بخاری کتاب الادب)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت سے مشرکین مشتعل ہو گئے اور دن بدن ظلم و ستم میں بڑھتے جاتے۔ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچرا پھینکتے، کبھی پتھر اور کبھی مٹھی بھر مسلمانوں کو تپتی ریت پر جلاتے۔ ان حالات میں اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ صبر اور حوصلے سے ان کی ڈھارس بندھاتیں۔ قریش مکّہ کی اشتعال انگیزی کی انتہا اُس وقت ہوئی جب سب نے متحد ہو کر 7 نبوی مسلمانوں کا بائیکاٹ کر کے اُن کو شعب ابی طالب میں

محصور کر دیا۔ کفّار اتنا ظلم کرتے کہ کھانے پینے کی کوئی چیز مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیتے تھے۔ یہ محاصرہ تین سال تک جاری رہا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمان بے بس ہو کر درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے۔ حضرت خدیجہؓ اسی دوران مصائب کی تاب نہ لاتے ہوئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر 64 سال اور کچھ ماہ تھی۔

(ابن ہشام، سیرت خاتم النبیین)

حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاندان کی بڑی مال دار خاتون تھیں لیکن اس کے مقابل پر انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی خاطر دکھوں اور اذیتوں کو قبول کرنا گوارا کر لیا مگر حق کو نہیں چھوڑا اور آخری لمحہ تک اپنے پیارے خاوند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

سامعین کرام! رسول اللہ کے لئے ایسی رفیق حیات کو رخصت کرنا جس نے زندگی کے ہر قدم میں آپؐ کا مکمّل طور پر ساتھ نبھایا ہو آسان نہیں تھا۔ اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کا جو تعلق رسول اللہ سے تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ ایک دوسرے کی قدرو عزت، محبّت و وفا، فرائض کی ادائیگی، حسن معاشرت، تقویٰ، راستبازی، دینداری، اور غرباء پروری میں اس جوڑے کی مثال نہیں ملتی۔ آپؐ انکی وفات کے بعد بات بات پر ان کا ذکر فرماتے اور اشکبار ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ ان سے ملنے آئی۔ حضور جذبات سے مغلوب ہو گئے۔ فرمانے لگے "یہ ہالہ ہو نگی۔ اس کی آواز خدیجہ کی طرح لگتی ہے۔" جلدی سے دروازے پر آئے اور ان کا استقبال کیا۔

(حضرت سیدہ خدیجہؓ صفحہ 34)

حضرت خدیجہؓ آپ کی رفاقت میں پچیس برس رہیں، پندرہ سال نبوت ملنے سے پہلے اور دس سال نبوت ملنے کے بعد۔ نبوت کے دسویں سال اور ہجرت سے تین سال قبل ماہِ رمضان کی دس تاریخ کو 65 برس کی عمر میں آپؓ نے مکہ مکرمہ میں وصال پایا، یہ سال مسلمانوں میں "عام الحزن" کا سال کہلایا کیونکہ حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تین روز قبل ہی آپؐ کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی تھی۔ اس وقت تک نمازِ جنازہ کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے، اس لئے حضرت خدیجہؓ کو کفن دے کر مقام حجون میں دفن کیا گیا، آپ صلی

اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اُترے اور اپنی رفیقہ و حبیبہ کو سپردِ خاک کیا۔ آج وہاں "جنت المعلٰی" کے نام سے قبرستان ہے۔

(طبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 18)

اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تمام مسلمان عورتوں کے لیے رہتی دنیا تک کے لیے کامل نمونہ ہیں۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿6﴾ ﴿مشاہدات۔439﴾

اُمّ المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب:33)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم ہر گز عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

معزز سامعین! خاکسار کو آج جس موضوع پر بات کرنے کا موقع ملا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ازواجِ مطہرات کا مقام اور اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی بیویوں کا ذکر کئی مرتبہ فرمایا ہے اور احادیث سے بھی ہمیں ان کے رتبہ اور مقام کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کی بیویوں کو ماؤں کا درجہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (الاحزاب:7) نبی مومنوں پر اُن کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے اور اُس کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تم میں سے سب سے بہتر افراد وہ ہیں جو میری ازواجِ مطہرات کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والے ہوں۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل حدیث 24400)

حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ آپؓ کی پیدائش 589ء میں مکہ میں ہوئی۔ آپؓ کا تعلق قبیلہ عامر بن لوی سے تھا جو قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا۔ کنیت اُم الاسود ہے۔ والدہ کا نام شموس تھا، ان کا تعلق بنو نجار سے تھا۔ والد کا نام زمعہ بن قیس تھا اور ان کا قبیلہ قریش سے تعلق تھا۔ ابتدائے اسلام ہی میں حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تھا اور آپؓ کی شادی حضرت سکرانؓ بن عمرو سے ہوئی تو وہ بھی اس وقت مسلمان تھے۔ ابتدائے اسلام میں اسلام کی وجہ سے مسلمانوں کو کفار مکہ بہت زیادہ تکلیفیں دیا کرتے تھے، انہیں تشدد کا نشانہ بناتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالات دیکھ کر مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی پھر بہت سارے مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ نے بھی اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد حضرت سودہؓ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ واپس آئیں تو حضرت سکرانؓ کی طبیعت خراب ہوئی اور کچھ دنوں کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا، حضرت سودہؓ کے بطن سے حضرت سکرانؓ کے ایک بیٹے پیدا ہوئے جن کا نام عبد الرحمٰنؓ تھا اور وہ بعد میں جنگ ''جلولا'' میں شہید ہو گئے تھے۔

حضرت سکرانؓ کی وفات سے پہلے حضرت سودہؓ نے دو خواب دیکھے۔ آپؓ نے دیکھا کہ آپ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی ہیں اور کیا دیکھتی ہیں کہ آسمان پھٹ گیا اور چاند آپؓ کے اوپر آ گرا۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد حضرت سودہؓ اپنے شوہر کے پاس گئیں اور اُن سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ حضرت سکرانؓ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ عنقریب میں مر جاؤں گا اور تم عرب کے چاند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ جاؤ گی۔ ایک اور مرتبہ آپؓ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور آپؐ نے اپنے پاؤں مبارک حضرت سودہؓ کی گردن پر رکھ دیئے۔ حضرت سودہؓ نے یہ خواب بھی اپنے شوہر حضرت سکرانؓ کو سنائی۔ وہ کہنے لگے: اگر تمہاری خواب سچی ہے تو میری وفات کے بعد تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آؤ گی۔

(ازواج مطہرات و صحابیات صفحہ 84)

حضرت سکرانؓ کے انتقال کے بعد حضرت سودہؓ بہت زیادہ غمگین ہو گئیں اور اُن کی جدائی میں بہت رویا کرتیں، آپ کی سہیلیاں آپ کے پاس آکر آپ کو تسلی دیتیں اُدھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت سیدہ خدیجہؓ کے وصال کے بعد بہت غمگین اور پریشان تھے یہ حالت دیکھ کر حضرت خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور عرض کیا کہ آپؐ شادی کیوں نہیں کر لیتے ؟ آپؐ نے فرمایا کس سے کروں ؟ اس نے عرض کیا کہ ''آپؐ چاہیں تو غیر شادی شدہ لڑکی بھی موجود ہے اور بیوہ عورت بھی'' آپؐ نے فرمایا ''کون'' خولہؓ نے عرض کیا'' ایک تو آپؐ کے عزیز دوست ابو بکر صدیق کی لڑکی عائشہ ہے اور دوسری سودہ بنت زمعہ ہے جو آپ پر ایمان بھی لا چکی ہیں اور آپؐ کے دین کا اتباع بھی کیا ہے۔'' آپؐ کے فرمانے پر حضرت خولہؓ نے جب حضرت سودہؓ سے حضورؐ سے شادی کے متعلق ذکر کیا تو آپؓ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ آپؓ فرمانے لگیں ''میرا نصیب! مجھے اور کیا چاہیے لیکن پہلے میرے والد سے بات کر لو۔'' وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہا کہ میری نظر میں بہت مناسب رشتہ ہے۔ اپنی سہیلی سے پوچھ لو۔ حضرت خولہؓ نے کہا'' میں نے پوچھ لیا'' والد محترم نے کہا'' ٹھیک ہے! بیٹی راضی ہے تو میں بہت خوش ہوں'' غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت سودہؓ کے والد نے ہی نکاح پڑھایا اور چار سو درہم حق مہر مقرر ہوا۔ اس طرح یہ نکاح رمضان 10 نبوی میں ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سودہؓ کی عمریں پچاس برس تھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سودہؓ کے نکاح کے وقت حضرت سکرانؓ کے دو بھائی شریک ہوئے جبکہ حضرت سودہؓ کے بھائی عبد اللہ بن زمعہ نکاح کے وقت گھر پر نہیں تھے اور وہ اُس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ جب گھر واپس آئے اور اس بابرکت نکاح کی خبر ملی تو انہوں نے اسے افسوس ناک واقعہ سمجھ کر اپنے سر پر خاک ڈالی کہ کیا غضب ہو گیا۔ اسلام لانے کے بعد وہ ہمیشہ اپنے اس عمل پر افسوس کیا کرتے تھے۔

(اہل بیت رسول ازواج نبیؐ صفحہ 48-49)

بعد از نکاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اسی گھر میں ٹھہرایا جو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی ملکیت تھا۔ اس گھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں حضرت اُمِّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی رہتی تھیں جب کہ حضورؐ کی ایک بیٹی حضرت رقیہؓ حبشہ میں تھیں۔ جب وہ والدہ کے انتقال کے بعد مکہ واپس آئیں تو جہاں بہنوں نے خوشی اور غمی کے ملے جلے جذبات سے استقبال کیا وہاں حضرت سودہؓ نے بھی حضرت رقیہ کو گلے لگایا اور پیار کیا۔

(سیرت خاتم النبیین حصہ اوّل از حضرت مرزا بشیر احمد صفحہ 176)

حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما سے بے پناہ محبت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ نہایت مشفقانہ برتاؤ کرتیں، انہیں اپنی ماں حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی کمی کا احساس نہ ہونے دیتیں، مہربان اور شفیق ماں کی طرح ان کے ساتھ رہتیں۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی دلجوئی کرتیں اور ان کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑتیں۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تین سال یا اس سے کچھ زائد عرصہ تک آپؓ تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں رہیں یہاں تک کہ مدینہ میں حضرت عائشہؓ رخصت ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئیں۔

(اہل بیت رسولؐ ازواج نبیؐ صفحہ 50)

سامعین! حضرت سودہؓ انتہائی سادہ اور صالح طبیعت کی خاتون تھیں۔ آپؓ بہت خوش اخلاق تھیں۔ خدا کی راہ میں بہت خرچ کرتیں اور اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی بھی چیز اپنے پاس نہیں رکھتیں تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف میں سے آپؓ نے سخاوت اور فیاضی سے ایک وافر حصہ پایا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی تو لانے والے سے پوچھا "اس میں کیا ہے؟" اس نے کہا "اس میں درہم ہیں" آپؓ بولیں کہ کھجور کی تھیلی میں درہم بھیجے گئے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت آپؓ نے سب مال تقسیم کر دیا۔

(ماخوذ از سیرت النبیؐ سید سلیمان ندوی حصہ دوم صفحہ 634)

آپؓ کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت تھی۔ طائف کے رہنے والے اپنے جانوروں کی کھالیں ذبح کرنے کے بعد سکھا کر آپؓ کو بھیج دیتے تھے۔ ان کو سیدھا کر کے اور کچھ مصالحہ وغیرہ لگا کر اس طرح بنا دیتی تھیں کہ پھر وہ لوگ اس چمڑے سے مختلف چیزیں بنا سکتے تھے۔ اس محنت سے آپؓ کو جو آمدنی ہوتی تھی آپؓ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں اور اپنی ضرورت سے زیادہ کوئی چیز اپنے پاس نہیں رکھتی تھیں۔

آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی اطاعت گزار تھیں۔ آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی ارشاد کی کوئی تشریح یا تاویل کرنے کی بجائے اپنی سمجھ کے مطابق اس کی فوری تعمیل کی کوشش کرتیں تھیں۔ چنانچہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر تمام ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”حج کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھنا“ تو حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیگر بیویاں تو حج اور عمرہ وغیرہ بھی کرتی تھیں مگر حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش نے اس حکم کی سختی سے تعمیل کی اور گھر سے باہر نہ نکلیں۔

(ماخوذ از مطہر عائلی زندگی صفحہ 34)

سامعین! حضرت سودہؓ کی طبعیت میں ظرافت بھی تھی اور تھوڑی تیزی بھی تھی یعنی کبھی غصہ بھی کر جاتی تھیں اور اس کا اظہار بھی کر دیا کرتی تھیں۔ آپؓ کا ایک واقعہ احکام پردہ کے نزول کے زمانہ کا ہے۔ عرب میں عورتیں عموماً چادر لیا کرتی تھیں اور زیادہ تر گھروں میں ہی رہتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت میں ازواجِ رسولؐ کے احترام اور پردہ میں شدت تھی۔ انہوں نے حضرت سودہؓ کو گھر سے نکلتے دیکھا اور لمبے قد کے باعث انہیں پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے تھی کہ ازواجِ مطہرات کو مکمل پردہ کی خاطر گھر میں ہی رہنا چاہیے اور باہر نہیں نکلنا چاہیے جبکہ حضرت سودہؓ حسب ضرورت پردے میں باہر چلی جایا کرتی تھیں۔ ایک رات آپؓ گھر سے نکلیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں بلند آواز سے پکار کہا کہ اے سودہؓ! ہم نے آپ کو پہچان لیا۔ یہ سن کر حضرت سودہؓ ناراض ہو کر وہیں سے واپس پلٹ آئیں اور سیدھی آنحضور سلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور حضورؐ کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ! حضرت عمر بن الخطابؓ آپ کی ازواجِ مطہرات کے بارہ میں با آواز بلند کہنے لگے ہیں کہ ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ اس وقت نبی کریمؐ پر وحی کی کیفیت نازل ہوئی اور پردہ کے بارے میں آیات نازل ہوئیں جن میں ازواجِ مطہرات کو پردہ

کرنے کی ہدایت کے ساتھ حسب ضرورت باہر جانے کے اشارے بھی موجود ہیں۔ چنانچہ آنحضورؐ نے فرمایا: ”اے سودہ! تم عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ ضرورت اور کام کی خاطر باہر جاسکتی ہو۔“

(صحیح بخاری کتاب الوضوباب خروج النساء للبراز)

حضرت سودہؓ میں حس مزاح بھی تھی۔ ایک مرتبہ آپؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ”کل رات میں نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی آپؐ اتنی دیر رکوع میں رہے کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری نکسیر نہ پھوٹ جائے اسی لیے میں اپنی ناک پکڑے رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔

(مطہر عائلی زندگی صفحہ 31)

حضرت سودہؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ اپنی آخری بیماری میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ازواجِ مطہرات میں سے سب سے جلد وہ بیوی مجھ سے اُس جہاں میں آکر ملے گی جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔ اس پر تمام بیویاں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کرتی تھیں شوق کے عالم میں سرکنڈے سے بازو ناپنے لگ گئیں کہ دیکھیں تو سہی کہ وہ لمبے ہاتھوں والی سعادت مند کون ہے جو اپنے آقا کے پاس سب سے پہلے پہنچے گی۔ حضرت سودہؓ جو لمبے قد کی تھیں انہی کے ہاتھ بھی لمبے نکلے اور وہ اس بات پر بہت خوش ہوئیں کہ پہلے میرے حصے میں یہ سعادت آئے گی اور میں سب سے پہلے اپنے آقا سے جاملوں گی۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ایّ الصدقۃ افضل)

حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کے آپس کے تعلقات بہت اچھے تھے کسی قسم کی کوئی کشید گی نہیں تھی۔ حضرت سودہؓ امور خانہ داری میں حضرت عائشہؓ کی مدد بھی کر دیا کرتی تھیں ۔ حضرت سودہؓ کی عمر چونکہ زیادہ ہوگئی تھی جبکہ حضرت عائشہؓ ابھی نو عمر تھیں اس لیے انہوں نے اپنی باری بھی حضرت عائشہ کو دے دی تھی۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ اپنے بڑھاپے، کمزوری اور بیماری کی وجہ سے وہ اپنی عائلی ذمہ داریاں حضورؐ کے پاس رہ کر مکمل طور پر ادا نہیں کر سکتیں اور عمر کے اس حصہ میں انہیں ازدواجی تعلقات کی حاجت نہیں رہی، مگر ان کی دلی تمنا تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بابرکت نسبت اور تعلق ہے وہ تادم حیات قائم رہے اور اپنی کسی بیماری یا معذوری کی وجہ سے ان کا تعلق علیحدگی کا باعث نہ

ہو۔ اس اندیشہ کی بنا پر انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے دیگر ازواج سے مقابلے کی تو کوئی تمنا نہیں ہاں یہ خواہش ضرور ہے کہ قیامت کے روز آپکی بیویوں میں ہی میرا حشر ہو اس لیے میں آپ سے علیحدگی نہیں چاہتی لیکن اپنے حقوق زوجیت سے دست بردار ہوتی ہوں اور حضرت عائشہؓ کے حق میں اپنی باری چھوڑتی ہوں۔

(الاستیعاب جلد 1 صفحہ 603)

سامعین کرام! حضرت سودہؓ کے پاکیزہ اخلاق اور ان کی محبت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی تھیں کہ "مَیں نے کسی عورت کو جذبہ رقابت سے خالی نہ دیکھا سوائے سودہؓ کے۔" حضرت سودہؓ کے پاکیزہ اخلاق کی گواہی حضرت عائشہؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ "سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی"

(مطہر عائلی زندگی صفحہ 33-34)

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ ایک دفعہ فرمانے لگیں کہ "عورتوں میں سے مجھے کسی عورت کے بارے میں کبھی یہ خواہش نہیں ہوئی کہ میں ویسی ہو جاؤں سوائے حضرت سودہؓ کے کہ ان کی بھولی بھالی ادائیں اختیار کرنے کو جی چاہتا ہے اور دل کرتا ہے کہ میں بھی ان کی طرح ہوتی اور ان جیسا پاک و صاف دل ان جیسی بھولی بھالی ادائیں مجھے بھی نصیب ہو جاتیں"۔

(اہل بیت رسول ازواج نبیؐ صفحہ 58، مسلم کتاب الرضاع باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرّتھا)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے آخری زمانہ میں سن 22 ہجری میں وفات پائی اور تاریخ الخمیس کے مطابق یہی روایت سب سے زیادہ ٹھیک ہے۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیین از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)

سامعین! امہات المومنین کی سیرت اور اُن کی شخصیت ہم سب کے لیے ایک نمونہ ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ان کی سیرت کے بارے میں پڑھیں اور اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿7﴾ ﴿مشاہدات۔182﴾

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ

(النور:12)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو جھوٹ گھڑ لائے تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔ اس (معاملہ) کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لئے ہے جو اُس نے گناہ کمایا جبکہ ان میں سے وہ جو اس کے بیشتر کا ذمہ دار ہے اس کے لئے بہت بڑا عذاب (مقدر) ہے۔

سامعین! آج مجھے اپنی تقریر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب بیان کرنے ہیں۔

آپؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ کی پیدائش بعثتِ رسولؐ کے چوتھے سال بیان کی جاتی ہے۔ آپؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی الٰہی منشاء کے مطابق خوابوں کی بناء پر ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ رؤیا میں دیکھا۔ آپؐ نے شادی کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے عائشہ! فرشتہ تمہیں میرے پاس تین راتیں ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر لاتا رہا اور کہا کہ یہ دنیا و آخرت میں تمہاری بیوی ہے۔ مَیں نے جب کپڑے کی نقاب کشائی کی تو وہ آپ تھیں۔
(ازواج النبیؐ از حافظ مظفر احمد صفحہ:62)

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

حضرت عائشہؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی کنواری بیوی تھیں۔ جس اعزاز پر حضرت عائشہؓ بجا طور پر ناز بھی کیا کرتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کی چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے آپؓ کا بہت خیال رکھتے اور آپؓ کی دلداری بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ خود بیان کرتی ہیں کہ مَیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گُڑیاں کھیلا کرتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری کا ایک واقعہ حضرت عائشہؓ یوں بیان فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ہم نے باہر کچھ شور اور بچوں کی آوازیں سنیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر جا کر دیکھا تو ایک حبشی عورت تماشا کر رہی تھی اور بچے اس کے گرد جمع تھے۔ آپؐ نے مجھے فرمایا ”عائشہ! تم بھی آکر دیکھ لو“ میں نے آکر اپنی ٹھوڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر رکھی اور دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد حضورؐ پوچھتے ہیں ”دیکھ چکی ہو؟ بس کافی ہے؟“ مَیں کہہ دیتی ”نہیں ابھی تو اور دیکھوں گی“ اور میرے دل میں تھا کہ ذرا دیکھوں تو سہی یہ میرے کتنے ناز اُٹھاتے ہیں۔ اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے تو بچے ان کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”معلوم ہوتا ہے انسانوں اور جنوں میں سے تمام شیطان عمرؓ کے خوف سے بھاگتے ہیں۔“

(ازواج النبیؐ از حافظ مظفر احمد۔ صفحہ:67)

سامعین! حضرت عائشہؓ کی دلداری کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کریں۔ جب صحرائی ہواؤں کی وجہ سے کمرے کی کھڑکی کا ذرا پردہ سِرکا تو حضورؐ نے پردے کے پیچھے حضرت عائشہؓ کی گڑیاں پڑی دیکھیں تو حضورؐ بہت محظوظ ہوئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ عید کے روز کچھ نغمے گا رہی تھیں اور آنحضورؐ گھر میں موجود تھے۔ چونکہ عید کا دن تھا حضرت ابو بکرؓ بھی اپنے آقا حضرت محمدؐ اور اپنی پیاری بیٹی حضرت عائشہؓ سے عید ملنے

آنحضورؐ کے گھر آ گئے۔ جہاں حضرت عائشہؓ کو کچھ بچیوں کے ساتھ حضورؐ کی موجودگی میں نغمے گاتے دیکھا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو بکر! کھیلنے دو۔ آج عید اور خوشی کا دن ہے۔

عید ہی کے روز کا ایک اور واقعہ دلداری اور خاطر داری کا تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے۔ لکھا ہے کہ حبشہ کے لوگوں نے تیر اندازی اور نیزہ بازی کے کچھ کرتب دکھانے شروع کئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہؓ کی دلجوئی اور خاطر داری کی خاطر اپنے ساتھ باہر لے گئے اور یہ سب کرتب حضرت عائشہؓ کو دکھلائے۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پُشت پر آنحضورؐ کے کندھے کے اوپر سے یہ کرتب دیکھے۔

سامعین! حضرت عائشہؓ کے ساتھ بے تکلفی اور محبت و شفقت کا ایک عجیب سفر تھا کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کو دوڑ کے مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت عائشہؓ سبقت لے گئیں۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد دوڑ کا دوبارہ مقابلہ ہوا۔ جس میں حضورؐ سبقت لے گئے اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہؓ کے وزن میں اضافہ ہو چکا تھا۔ حضورؐ نے نہایت پیار بھرے الفاظ میں مزاح کے ساتھ فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اُس دوڑ کے مقابلہ کا بدلہ تھا جو آپ نے جیتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کو جنگ بدر، جنگ اُحد اور غزوہ بنو مصطلق میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر خدمات کی توفیق ملی۔

معزز سامعین! آئیں! اب کچھ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کے فضائل اور مناقب کی بات کر لیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی دیگر بیویوں سے امتیازی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ "**عائشہ کی فضیلت باقی بیویوں پر ایسے ہے جیسے ثرید یعنی گوشت والے کھانے کی عام کھانے پر**" اور فرمایا "**بیویوں میں سے صرف عائشہ ہی ہیں جن کے بستر پر مجھے وحی ہوتی ہے۔**"

(ازواج النبیؐ صفحہ:70-71)

اس سے آپؓ کے زہد، تقویٰ اور نیکی کا اندازہ ہوتا ہے۔

سامعین! ایک سفر کے دوران جب حضرت عائشہؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں آنحضورؐ پر تیممؐ کی آیات نازل ہوئیں۔ یہ حکم امت کے لئے سہولت اور آسانی کی وجہ سے ایک احسان اور تحفہ سے کم نہ تھا۔ جس کو بعض صحابہ کرامؓ حضرت عائشہؓ کی برکت ہی خیال کرتے تھے چنانچہ حضرت اسید بن حضیرؓ نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کو مخاطب ہو کر کہہ ہی دیا کہ اے ابو بکر کی اولاد! یہ آپ کی پہلی برکت نہیں ہے جو مسلمانوں کو (آپ کی موجودگی میں) عطا ہوئی ہے۔

(ازواج النبیؐ۔ صفحہ:72)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھریلو ماحول بھی بڑا بے تکلّفانہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عائشہ! جب تم مجھ سے راضی خوشی ہوتی ہو تو رَبِّ مُحمّد کہہ کر قسم کھاتی ہو اور ناراضگی میں رَبِّ ابراھیم کہہ کر قسم کھاتی ہو۔ جب آنحضورؐ یہ فرمارہے کہ اے عائشہ! مجھے تمہاری ناراضگی کا علم ہو جاتا ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ اِس حالت میں تو مَیں صرف آپؐ کا نام منہ پر لانے کو چھوڑتی ہوں لیکن دل سے آپؐ کی محبت نہیں جاتی۔

ایک روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیگمات کو ابو زرعہ اور اُم زرعہ کی کہانی سنانے لگے کہ ان دونوں میاں بیوی میں پیار مثالی تھا اور فرمایا۔ میری اور عائشہ کی مثال ابو زرعہ اور ام زرعہ کی سی ہے۔ اے عائشہ! تم میری ام زرعہ ہو اور میں تمہارا ابو زرعہ۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا یا رسول اللہؐ! آپ میرے لئے ابو زرعہ سے کہیں بہتر ہیں۔

(بخاری کتاب النکاح۔ مجمع الزوائد جلد 4 صفحہ 317)

سامعین! خواتین کو اپنے گھروں میں بسا اوقات خاوندوں سے ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غصہ بھی آجاتا ہے۔ یہی کیفیت حضرت عائشہؓ پر بھی بعض اوقات آتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے کبھی کبھار غصہ آجاتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر دعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھَا ذَنْبَھَا وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِھَا وَاَعِذْھَا مِنَ الْفِتَنِ۔ اے اللہ! عائشہؓ کے گناہ بخش دے اور اس کے دل کا غصہ دور کر دے اور اسے فتنوں سے بچالے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے غصہ ہونے پر حضورؐ پیار سے ان کی ناک پکڑ کر فرماتے۔ اے عُویش (یعنی پیاری عائشہؓ) یہ دعا کرو۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ

اِغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْہِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلاَّتِ الْفِتَنِ کہ اے اللہ! نبی محمدؐ کے رب! میرے گناہ مجھے بخش دے اور میرے دل کا غصہ دور کر دے اور مجھے گمراہ کن فتنوں سے بچالے۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عائشہؓ! میں نے تمہیں جنت میں دیکھا ہے اور وہ نظارہ اور تمہاری سفید چمکتی ہوئی ہتھیلیاں مجھے ابھی بھی یاد ہیں۔ ایک دفعہ کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ عزیز ابو بکر ہے اور پھر اُس کی بیٹی عائشہؓ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری میں بھی آپؓ کے گھر آ گئے تھے جہاں آپؐ کو سکون اور آرام میسر آیا۔

سامعین! جہاں تک آپؓ کے علمی معیار اور مزاج کا تعلق تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تعلیم و تربیت ہی ایسے رنگ میں فرمائی کہ آپؓ امت کی معلمہ بن گئیں اور آنحضورؐ نے فرمایا کہ نصف علم حضرت عائشہ سے سیکھو۔ نیز فرمایا کہ اگر اِس اُمت کی عورتوں کا علم جمع کیا جائے تو عائشہ کا علم اِن تمام عورتوں سے بڑھ کر ہے۔

(ازواج النبیؐ صفحہ: 83-84)

حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے مطابق جب کبھی بھی صحابہ کو کسی مسئلہ پر الجھن پیش آتی تو ہم حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کرتے تھے۔ آپؓ کا حافظہ شاندار تھا۔ آپ علم القرآن کی ماہر تھیں اور ہر مضمون پر غلبہ حاصل تھا۔ مَیں ایک مثال دے کر آگے گزرتی ہوں کہ جب صحابہ میں خاتم الانبیاء کا مسئلہ زیر بحث تھا تو فرمایا قُوْلُوْا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَ بَعْدَہٗ۔ آپؓ ایسی خوش نصیب ہستی تھیں کہ ایک دفعہ حضرت جبرائیلؑ نے آنحضورؐ سے کہا کہ میرا سلام عائشہؓ کو کہیں۔

آپؓ کے اندر ایثار کا یہ عالَم تھا کہ حُجرہِ رسولؐ میں اپنے لئے مخصوص تدفین کے لئے جگہ حضرت عمرؓ کو اُن کی درخواست پر دے دی اور خود جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ مؤرخہ 13ء اکتوبر 2023ء میں حضرت عائشہؓ کی سیرت، فضائل اور حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ایک دن حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی خولہؓ بنت حکیم نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اَے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ شادی نہیں کرنا چاہتے نیز کنواری

حضرت عائشہؓ بنت ابو بکرؓ اور بیوہ سودہؓ بنت زمعہ کا رشتہ تجویز کرنے پر آپؐ نے فرمایا! جاؤ اِن دونوں کے گھر والوں سے میرے لئے بات کرو۔ چنانچہ اللہ عزوجل کی نوازی گئی زبردست خیر و برکت کی تجویز کو حضرت ابو بکرؓ نے دو انقباضات کے دُور ہونے پر قبول کر لیا کہ اسلام میں آپؐ اور رسول اللہؐ کے بھائی ہونے پر اِس رشتہ پر کوئی شرعی عُذر وَاجب نہیں ہوتا نیز پہلے سے مطعم بن عدی کے بیٹے کے لئے حضرت عائشہؓ کے رشتہ کی بات (وعدہ کہ اگر تم رشتہ بھیجو گے تو ہم کریں گے) کے ضمن میں مطعم بن عدی اور اُس کی بیوی اُمّ الفتیٰ کی وضاحت پر کہ اُن کا بیٹا مسلمان تو نہیں ہو سکتا، وہ بات بھی ختم ہوگئی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے کہنے حضرت خولہؓ نے آنحضرتؐ کو پیغام پہنچایا اور آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے شادی کی۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے شادی کے بعد فرمایا! تم مجھے رؤیا میں دو مرتبہ دکھائی گئی قبل اِس کے کہ مَیں تم سے شادی کرتا۔ مَیں نے فرشتہ کو دیکھا، اُس نے تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھایا ہوا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے کہا کہ یہ آپؐ کی زوجہ مطہرہ ہیں، مَیں نے اُسے کہا کہ کپڑا ہٹاؤ، اُس نے کپڑا ہٹایا تو کیا دیکھا کہ وہ تم ہو، مَیں نے خیال کیا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اُسے پورا کر دے گا۔ پھر تم مجھے رؤیا میں دکھائی گئی، وہ تمہیں ریشم کے ایک ٹکڑے میں اٹھائے ہوئے تھا، مَیں نے کہا! کپڑا اُٹھاؤ تو اُس نے کپڑا ہٹایا، کیا دیکھا کہ وہ تم ہو، پھر مَیں نے یہی کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اُسے پورا کر دے گا۔ یہ روایت بحوالہ حضرت عائشہؓ بخاری میں درج ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپؐ اپنی اہلیہ کی رخصتی کیوں نہیں کرا لیتے؟ آپؐ نے فرمایا! مہر کی رقم کی وجہ سے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو ساڑھے بارہ اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہے) دیا اور آپؐ نے یہ مال ہمارے ہاں بجھوا دیا۔

شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارہ میں بھی مؤرّخین، سیرت نگاروں اور بعد کے راویوں کے بیان کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور غیر بھی اِس سے بڑے اعتراضات اٹھاتے رہتے ہیں۔ لیکن اصولی بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی جب شادی ہوئی تو عمر کے اعتبار سے کسی بھی قسم کی کوئی انوکھی بات نہیں تھی کہ وہاں کے لوگوں کے درمیان کوئی سوال یا اعتراض پیدا ہوتا، اگر حیرت انگیز طور پر کوئی غیر معمولی بات ہوتی تو منافقین یا مخالفین ضرور اعتراضات کی بھرمار کر دیتے، لیکن کسی بھی کتاب میں کوئی

ایسا اعتراض مذکور نہیں ہے۔ جن کتب میں حضرت عائشہؓ کی عمر غیر معمولی چھوٹی کر کے بیان ہوئی ہے، اُن کو حکم و عدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام بے سروپا اقوال قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

حضرت عائشہؓ کا نو سال ہونا تو صرف بے سر وپا اَقوال میں آیا ہے، کسی حدیث یا قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔

شادی کے وقت آپؓ کی والدہ مدینہ کی ایک مضافاتی جگہ السنح نامی میں مقیم تھیں، چنانچہ انصار کی عورتوں نے وہاں جمع ہو کر آپؓ کو رخصتانہ کے لئے آراستہ کیا، پھر آنحضرتؐ وہاں خود تشریف لے گئے اور اِس کے بعد آپؓ اپنے گھر سے رخصت ہو کر حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں۔

حضرت عائشہؓ کی خصوصیات حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں:

باوجود صغر سنی کے آپؓ کا ذہن اور حافظہ غضب کا تھا اور آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت کے ماتحت اُنہوں نے نہایت سُرعت کے ساتھ حیرت انگیز طور پر ترقی کی اور دراصل اِس چھوٹی عمر میں اِن کو اپنے گھر میں لے آنے کی آپؐ کی غرض یہی تھی تا آپؐ شروع سے ہی اپنے منشاء کے مطابق اُن کی تربیت کر سکیں اور تا اُنہیں آپؐ کی صحبت میں رہنے کا لمبے سے لمبا عرصہ مل سکے اور وہ اِس نازک اور عظیم الشان کام کے اہل بنائی جا سکیں جو ایک شارع نبی کی بیوی پر عائد ہوتا ہے۔ چنانچہ آپؐ اِس منشاء میں کامیاب ہوئے اور آپؓ نے مسلمان خواتین کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کا وہ کام سرانجام دیا جس کی نظیر تاریخ عالَم میں نہیں ملتی، احادیث نبویؐ کا ایک بہت بڑا اَور بہت ضروری حصہ آپؓ کی ہی روایات پر مبنی ہے، حتّٰی کہ اُن کی روایتوں کی کل تعداد 2210 تک پہنچتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کے علم و فضل اور تفقہ فی الدّین کا عالَم بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ اُن کا لوہا مانتے اور اُن سے فیض حاصل کرتے تھے حتّٰی کہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد صحابہؓ کو کوئی علمی مشکل ایسی پیش نہیں آئی کہ اِس کا حل حضرت عائشہؓ کے پاس نہ مل گیا ہو اور عُروہؓ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ مَیں نے کوئی شخص علم قرآن، علم میراث، علم حلال و حرام، علم فقہ، علم شعر، علم طب، علم حدیث عرب اور علم انساب میں آپؓ سے زیادہ عالِم نہیں دیکھا۔

ایک دفعہ اُن کے پاس کہیں سے ایک لاکھ درہم آئے، اُنہوں نے شام ہونے سے پہلے پہلے سب خیرات کر دیئے حالانکہ گھر میں شام کے کھانے تک کے لئے کچھ نہیں تھا۔

عورتوں میں کاملات بہت کم ہوئی ہیں اِنہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے جن کی جھلک آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہی نظر آنے لگی تھی، آپؐ اُنہیں خاص طور پر عزیز رکھتے تھے، ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا! مردوں میں تو بہت لوگ کامل گزرے ہیں لیکن عورتوں میں کاملات بہت کم ہوئی ہیں۔ پھر آپؐ نے آسیہ اہلیہ فرعون اور مریم بنت عمران کا نام لیا اور پھر فرمایا! عائشہ کو تو عورتوں پر وہ درجہ حاصل ہے جو عرب کے بہترین کھانے ثرید کو دوسرے کھانوں پر ہوتا ہے۔

اللہ اللہ! کیا ہی مقدس وہ بیوی تھی جسے یہ خصوصیت حاصل ہوئی ایک دفعہ بعض دوسری ازواج مطہرات نے کسی اہلی اَمر میں آپؓ کے متعلق آنحضرتؐ سے کوئی بات کہی مگر آپؐ خاموش رہے لیکن جب اصرار کے ساتھ کہا گیا تو آپؐ نے فرمایا! مَیں تمہاری اِن شکایتوں کا کیا کروں، مَیں تو یہ جانتا ہوں کہ کبھی کسی بیوی کے ہاں مجھ پر خدا کی وحی نازل نہیں ہوئی مگر عائشہؓ کے ہاں ہمیشہ نازل ہوتی ہے، اللہ اللہ! کیا ہی مقدس وہ بیوی تھی جسے یہ خصوصیت حاصل ہوئی اور کیا ہی مقدس وہ خاوند تھا جس کی اہلی محبت کا معیار بھی تقدس وطہارت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ حدیث میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ آخری ایام میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی اور اِس طرح آپؓ کو آنحضرتؐ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا دہرا موقع میسر آ گیا۔

مگر بخاری کی ایک روایت سے پتا لگتا ہے کہ اُن کے پاس ایک نسخہ قرآن شریف کا لکھا ہوا موجود تھا، جس پر سے اُنہوں نے ایک عراقی مسلمان کو بعض آیات خود املاء کروائی تھی، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم وہ خواندہ ضرور تھیں اور اغلب ہے کہ اِنہوں نے اپنے رخصتانہ کے بعد ہی لکھنا سیکھا تھا۔ لیکن جیسا کہ بعض مؤرّخین نے تصریح کی ہے وہ غالباً لکھنا نہیں جانتی تھیں۔

آپؓ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد کم و بیش 48 سال تک زندہ رہیں اور 58ہ ہجری کے ماہ رمضان میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملیں، اِس وقت اُن کی عمر تقریباً 68 سال کی تھی۔

پھر ایک واقعہ جو بدر کے فوری (قریباً ایک ماہ) بعد آنحضرتؐ کی زندگی میں رونما ہوا، وہ آپؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ کا ہے، جو مکہ میں تھیں اور پھر وہ مدینہ تشریف لائیں۔ آپؐ کے داماد ابوالعاص بن الربیع بھی غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اِس کی تفصیل میں تحریر فرماتے ہیں: آنحضرتؐ نے نقد فدیہ کے قائمقام ابوالعاص کے ساتھ یہ شرط مقرر کی کہ وہ مکہ میں جاکر زینب کو مدینہ بھجوادیں اور اِس طرح ایک مؤمن روح دارِ کفر سے نجات پاگئی، کچھ عرصہ بعد ابوالعاص بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں ہجرت کر آئے اور اِس طرح خاوند بیوی پھر اکٹھے ہو گئے۔ حضرت زینبؓ کی ہجرت کے متعلق یہ روایت آتی ہے کہ جب وہ مدینہ کے لئے مکہ سے نکلیں تو مکہ کے چند قریش نے اُن کو بزور واپس لے جانا چاہا، جب اُنہوں نے انکار کیا تو ایک بد بخت ھبار ابن اسود نامی نے نہایت وحشیانہ طریق پر اِن پر نیزے سے حملہ کیا، جس کے ڈر اور صدمہ کے نتیجہ میں اُنہیں اسقاط ہو گیا بلکہ اِس موقع پر اُن کو کچھ ایسا صدمہ پہنچ گیا کہ اِس کے بعد اُن کی صحت کبھی بھی پورے طور پر بحال نہیں ہوئی اور بالآخر اُنہوں نے اِسی کمزوری اور ضعف کی حالت میں بے وقت انتقال کیا۔

(خلاصہ خطبہ جمعہ 13 اکتوبر 2023ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپؐ کی سیرت، اخلاق و فضائل کو اپنانے کی توفیق دے۔ آمین

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

﴿8﴾ ﴿مشاہدات۔440﴾

اُمّ المومنین حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:34)

ترجمہ: اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہلِ بیت! یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلائش دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

آج میری تقریر کا عنوان سیرت اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بنتِ عمر ہے۔

سامعین! اگر ہم قدیم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں بہت سی خواتین کا ذکر ملتا ہے جو مختلف وجوہات کی بنا پر تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات کا جو مقام اور رتبہ ہے وہ جامع ہے۔ ان کا دینی، اخلاقی، معاشرتی کردار دنیا کی تمام خواتین کے لیے ایک نمونہ ہے۔ آج کل کے دور میں جو معاشرے کے حالات ہیں اور بعض مسلمان خواتین بھی اس معاشرے کی تقلید کر رہی ہیں ایسے میں ضروری ہو جاتا ہے کہ ان حالات میں ہم ان برگزیدہ خواتین کی سیرت و خصائل پیش کریں تاکہ ہم سب ان سے نیک سبق حاصل کر سکیں۔

حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں ۔ آپؓ کی والدہ کا نام زینبؓ بنت مطعون تھا جو حضرت عثمانؓ بن مطعون کی بہن تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے 5 سال قبل ہوئی تھی جب قریش مکہ خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر میں مصروف تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق قریش کے معزز قبیلے بنی عدی سے تھا اس طرح آپؓ کا سلسلہ نسب دسویں پشت میں لوئی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت دعا کے نتیجہ میں جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپؓ کا سارا خاندان ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا جس میں اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں جن کی عمر 10 سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جس خاندان میں پرورش پائی اس کی چند صفات آپؓ کے مزاج کا حصہ بن گئیں جن میں صاف گوئی، جرات، بے لوثی، معاملہ فہمی شامل تھی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت خنیسؓ بن حزامہ سے ہوا جو اسلام کے بالکل اوائل دور میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار صحابی بن گئے تھے۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کے تحفظ اور سلامتی کی خاطر اپنے دو بھائیوں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ہجرتِ مدینہ سے قبل ہی مکہ تشریف لے آئے تھے۔ حبشہ سے واپسی پر آپ رضی اللہ عنہ کی شادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ نبوت کے تیرہویں برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر بھی اس سفر میں شامل ہو گئے۔ حضرت حفصہؓ نے اپنے شوہر، والد اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ ہجرت کی تکالیف برداشت کیں اور ہجرت کے بعد مدینہ کی قریبی بستی قبا میں سکونت اختیار کی۔ غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ عنہا کے رفیق حیات حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے کفار کا بے باکی سے مقابلہ کیا اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے کچھ عرصہ بعد مدینہ میں ہی وفات پا گئے۔

سامعین! حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہونے کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنی جواں سال بیٹی کے رشتہ کی فکر ہوئی۔ اس واقعہ کی کچھ تفصیل سیرت خاتم النبیین میں بھی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھی ہے کہ

''حضرت عمر بن خطابؓ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام حفصہؓ تھا۔ وہ خُنَیْس بن حُذَافَہؓ کے عقد میں تھیں جو ایک مخلص صحابی تھے اور جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ بدر کے بعد مدینہ واپس آنے پر خُنَیْسؓ بیمار ہو گئے اور اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کو حفصہ کے نکاح ثانی کا فکر دامن گیر ہوا۔ اس وقت حفصہؓ کی عمر بیس سال سے اوپر تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی فطرتی سادگی میں خود عثمان بن عفانؓ سے مل کر ان سے ذکر کیا کہ میری لڑکی حفصہ اب بیوہ ہے آپ اگر پسند کریں تو اس کے ساتھ شادی کر لیں مگر حضرت عثمانؓ نے ٹال دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے ذکر کیا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے بھی خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو بہت ملال ہوا اور انہوں نے اسی ملال کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے ساری سرگذشت عرض کر دی۔ آپؐ نے فرمایا۔ عمر! کچھ فکر نہ کرو۔ خدا کو منظور ہوا تو حفصہ کو عثمان وابو بکر کی نسبت بہتر خاوند مل جائے گا اور عثمان کو حفصہ کی نسبت بہتر بیوی ملے گی۔ یہ آپؐ نے اس لئے فرمایا کہ آپؐ حفصہ کے ساتھ شادی کر لینے اور اپنی لڑکی ام کلثوم کو حضرت عثمانؓ کے ساتھ بیاہ کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے جس سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو اطلاع تھی اور اسی لئے انہوں نے حضرت عمرؓ کی تجویز کو ٹال دیا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی فرما دی......اور اس کے بعد آپؐ نے خود اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کو حفصہ کے لئے پیغام بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو اس سے بڑھ کر اَور کیا چاہئے تھا۔ انہوں نے نہایت خوشی سے اس رشتہ کو قبول کیا اور شعبان تین ہجری میں حضرت حفصہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آکر حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں۔ جب یہ رشتہ ہو گیا تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ شاید آپ کے دل میں میری طرف سے کوئی ملال ہو۔ بات یہ ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے اطلاع تھی لیکن میں آپؐ کی اجازت کے بغیر آپؐ کے راز کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں اگر آپؐ کا یہ ارادہ نہ ہوتا تو میں بڑی خوشی سے حفصہ سے شادی کر لیتا۔

حفصہؓ کے نکاح میں ایک تو یہ خاص مصلحت تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں جو گویا حضرت ابو بکرؓ کے بعد تمام صحابہ میں افضل ترین سمجھے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین خاص میں

سے تھے۔ پس آپس کے تعلقات کو زیادہ مضبوط کرنے اور حضرت عمرؓ اور حفصہ کے اس صدمہ کی تلافی کرنے کے واسطے جو خُنَیْس بن حُذَافَہؓ کی بے وقت موت سے ان کو پہنچا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ حفصہ سے خود شادی فرمالیں اور دوسری عام مصلحت یہ مد نظر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی زیادہ بیویاں ہوں گی اتنا ہی عورتوں میں جو بنی نوع انسان کا نصف حصہ بلکہ بعض جہات سے نصف بہتر حصہ ہیں دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کا کام زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ آسانی سے اور زیادہ خوبی کے ساتھ ہو سکے گا۔"

(سیرت خاتم النبیین صفحہ 477-478)

سامعین! حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں موجود تھیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا آپس میں بہت اچھا سلوک تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد چونکہ حضرت حفصہؓ صحابہ میں سے ایک افضل ترین شخص یعنی حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی تھیں اس لیے ازواج مطہرات میں آپؓ کا ایک خاص مقام تھا۔

حضرت حفصہؓ بہت خدا ترس خاتون تھیں اور اپنا زیادہ وقت عبادت الٰہی میں گزارتی تھیں۔ بہت سادہ زندگی گزاری۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں یہ حدیث ان کی شان میں بیان فرمائی ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت جبرائیل نے حضرت حفصہؓ کے بارہ میں یہ الفاظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہے "وہ بہت عبادت کرنے والی بہت روزے رکھنے والی ہیں۔ اے محمد! وہ جنت میں آپؐ کی زوجہ ہیں"

(مطہر عائلی زندگی از امۃ الرفیق ظفر صفحہ 56)

سامعین کرام! اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تعلق اُس خاندان سے تھا جو اپنی فصاحت وبلاغت، فہم و فراست اور تقریر میں قریش میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بخوبی واقف تھے لہذا آپ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صحابیہ حضرت شفاءؓ بن عبد اللہ عدیہ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم پر مامور کیا انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف

لکھنا سکھایا بلکہ زہریلے کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے کا دم بھی سکھایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تعلیم و تفہیم کا بے پناہ شوق رکھتی تھیں یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات واقوال نہایت توجہ سے سنتیں اور اگر ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار فرمایا کرتی تھیں۔ ایک حدیث میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اہل ایمان غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ یہ ارشاد سن کر آپ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (مریم:72) کہ تم میں سے ہر ایک فرد کے لیے جہنم کو جھیلنا اور بھگتنا ضرور ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حفصہ! کیا تم نے اس سے اگلی آیت میں یہ نہیں پڑھا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (مریم:73) کہ جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں ان کو ہم نجات دے دیں گے اور جو ظالم ہیں جہنم میں پڑے رہ جائیں گے۔

(ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر البعث)

آپؓ کا یوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنا آپؓ کی علم کے لیے پیاس اور شغف کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے 10 ہجری میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حج کی ادائیگی کا شرف پایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر نگرانی و تربیت اس جماعت کا حصہ بن گئیں جس نے خواتین سے متعلق حج کے آداب و مناسک اور احکام و مسائل کی تعلیم دیگر خواتین تک پورے وثوق کے ساتھ پہنچائی۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ساٹھ روایات منقول ہیں۔ ان میں سے چالیس احادیث مبارکہ براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں۔

سامعین! قرآن مجید 23 برس کے عرصے میں وقفے وقفے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ جونہی آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر قلب و ذہن میں محفوظ کرلیتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات

مبارکہ میں اس امر کا انتظام فرما دیا تھا کہ وحی الٰہی کو احاطہ تحریر میں لایا جائے چنانچہ یہ اہم خدمت دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کی گئی آپ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق نازل شدہ آیات کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیتیں اور ساتھ ہی اسے حفظ بھی کر لیتی تھیں۔ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بشارت سنی تھی کہ ”جو شخص قرآن کریم کو حفظ کرے گا قیامت کے دن قرآن اس کو دوزخ میں جانے سے بچائے گا۔“ حضرت حفصہؓ کو نہ صرف قرآن پاک جمع کرنے اور حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی بلکہ اس کی حفاظت کا بھی موقع ملا۔ وہ اس طرح کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں حفاظت کی غرض سے قرآن کریم کے لکھے ہوئے الگ الگ ٹکڑوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا تو حضرت حفصہؓ سے بھی مشورہ کیا جاتا اور یہ جِلد کیا قرآن مجید بھی حضرت حفصہؓ کے پاس ہی رکھوایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدین کے زمانہ اور بعد میں بھی آپؓ کی وفات تک آپؓ قرآن کریم کے سب سے زیادہ صحیح نسخے کی مالک رہیں۔

(بحوالہ حضرت حفصہؓ از امۃ الباری ناصر صفحہ 7-8)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اپنی خاندانی خصوصیات کی وجہ سے طبعاً تیز مزاج تھیں اور بلا جھجک اپنی رائے کا اظہار کر لیا کرتی تھیں۔ عرب معاشرے میں عورت کو دبا کر رکھا جاتا تھا اور کسی بھی معاملے میں مشورہ لینا اپنی توہین تصور کیا جاتا تھا مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو اپنی رائے کے اظہار کی مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بے تکلفانہ گفتگو کر لیتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ”یا رسول اللہؐ! ہم لوگ مکہ میں اپنے سامنے عورت کو بات نہیں کرنے دیتے تھے لیکن جب سے میری بیوی مدینہ میں آئی ہے وہ بات بات پر مجھے مشورہ دینے لگ گئی ہے۔ ایک دفعہ میں نے اسے ڈانٹا کہ یہ کیا حرکت ہے..... تو وہ مجھے کہنے لگی..... میں نے تو دیکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ کو مشورہ دے لیتی ہیں..... میں نے کہا ہیں! ایسا ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگی ہاں واقعہ میں ایسا ہوتا ہے..... میں اپنی بیٹی کے پاس گیا (ان کی بیٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں) اور اسے کہا دیکھو!

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی بات نہیں کرنی.... حضرت عائشہؓ پاس ہی تھیں وہ میری بات سن کر بولیں تو کون ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معاملات میں دخل دینے والا.... (جبکہ رسول اللہؐ ہم سے مشورہ لیتے ہیں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر ہنس پڑے۔

(سیر روحانی تقریر حضرت مصلح موعودؓ صفحہ 43-44)

سامعین! اب میں دو واقعات بیان کرتا ہوں جو کہ آپ میں اکثر نے سن بھی رکھے ہوں گے جن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسم کا اپنی ازواج سے حسن سلوک اور ان کی اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ دلداری کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کی تربیت کا بھی کتنا خیال رکھتے تھے اور یہی چیز ہمارے لیے بھی سبق سیکھنے کا باعث ہے۔ پہلے واقعہ کی تفصیل احادیث میں کچھ اس طرح مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیوی کے ہاں شہد کا شربت پینے کے لیے ٹھہر گئے جہاں آپؐ کو کچھ تاخیر ہو گئی۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کو اس بیوی پر غیرت آئی اور دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ حضورؐ کو آئندہ اس سے روکنے کے لیے اس شہد کے کسی نقص کی طرف توجہ دلانی چاہیے۔ چنانچہ حضورؐ جب ان کے ہاں ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تو پہلے حضرت حفصہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آج آپ نے کوئی بدبودار شہد پیا ہے؟ شاید اس کی مکھی فلاں بُوٹی پر بیٹھتی اور اس کا رس چوستی ہو گی۔ پھر آپؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں گئے تو انہوں نے بھی ایسا ہی ذکر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نفسات طبع کے باعث کہ کسی کو مجھ سے تکلیف نہ پہنچے یہ عہد کیا میں آئندہ کبھی شہد نہیں پیوں گا۔ چنانچہ سورۃ تحریم میں ارشاد ہوا: ترجمہ: اے نبیؐ اس چیز کو محض اپنی بیویوں کی خواہش کی خاطر اپنے لیے کیوں حرام کرتا ہے جو خدا تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے۔

(اہلِ بیتِ رسولؐ، صفحہ 104، بخاری کتاب الطلاق باب لم تحرم ما احل اللہ لك)

سامعین! دوسرا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ کو طعنہ دیا کہ تمہارا تعلق تو یہودی قبیلے سے ہے اور تم یہودیوں کی اولاد ہو۔ اس پر وہ رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت صفیہؓ کو روتے دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حفصہؓ کی بات کا ذکر کیا کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم قریش کے خاندان سے ہیں اور تم یہودیوں کی بیٹی

ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم ایک نبی (ہارونؑ) کی بیٹی ہو اور تمہارے چچا حضرت موسیٰ بھی نبی تھے اور تم خود نبی کی بیوی ہو۔ پھر وہ (حفصہ) تم پر کس طرح فخر کر سکتی ہیں۔ (یعنی میرا تو تین نبیوں سے تعلق بنتا ہے اور تم ایک نبی کا تعلق مجھ پر جتلا رہی ہو) پھر آپؐ نے فرمایا۔ اے حفصہ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔"

(اہلِ بیتِ رسولؐ صفحہ 104)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معمولات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے مثلاً آپؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کا یہ طریق تھا کہ دایاں ہاتھ آپؐ دائیں گال کے نیچے رکھ کر دائیں پہلو ہو کر لیٹتے تھے اور سوتے وقت یہ دُعا بھی کرتے تھے اے میرے رب! مجھے اس دن اپنے عذاب سے بچانا اور محفوظ رکھنا جس دن اپنے بندوں کو تُو اٹھائے گا۔

(اہلِ بیتِ رسولؐ صفحہ 105، مسلم کتاب صلاۃ المسافر باب استجاب یمین الامام)

آپ رضی اللہ عنہا یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑا جن کا آپؐ خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ ایک عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ، دوسرے عشرہ ذوالحجہ کا روزہ، تیسرے ہر مہینے میں تین روزے بالعموم سوموار، جمعرات اور بدھ کو، نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں۔

(اہلِ بیتِ رسولؐ صفحہ 105، مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 287 قاہرہ)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ یہ شعبان 45 ہجری تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ نماز جنازہ مدینہ کے گورنر مروان نے پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور بھتیجوں سالم، عبد اللہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنت البقیع میں قبر مبارک میں اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جائیداد رفاہی کاموں کے لیے وقف کر دی جائے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿9﴾ ﴿مشاہدات۔441﴾

اُمُّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (البقرہ:139)

ترجمہ: اللہ کا رنگ پکڑو اور رنگ میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

معزز سامعین! آج مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُمُّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ کے متعلق کچھ کہنا ہے۔

یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ زمانہ قدیم کے عرب معاشرے میں جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تھا تو وہ عورت زندہ درگور ہو جاتی تھی۔ خاوند کے ورثہ کے ساتھ ساتھ اس کی بیوہ بھی اس کے ورثے میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اس کو یہ حق نہیں ہوتا تھا کہ وہ دوبارہ شادی کر سکے اور اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزار سکے۔ اسلام نے عورت کو اس کے حقوق دیے اور ہمارے پیارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیوگان سے شادی کر کے یہ مثال قائم کر کے دکھائی کہ ایک بیوہ عورت کو بھی دوبارہ شادی کا حق حاصل ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی بھی شادیاں کیں ان میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں باقی بیوگان تھیں جن میں سے ایک حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا مکہ میں بعثت نبویؐ سے تیرہ سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپؓ کا اصل نام زینب تھا۔ آپؓ کے والد کا نام خزیمہ بن عبد اللہ بن عمر تھا۔ حضرت زینبؓ کا تعلق نجد کے قبیلہ عامر بن صعصہ سے تھا۔ آپؓ قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔ حضرت زینبؓ کی کنیت ''اُمّ المساکین''، یعنی مسکینوں کی ماں تھی کیونکہ آپ غربا اور مساکین کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں اور یہ عادت آپؓ کو بچپن سے ہی تھی کہ آپ مساکین کو کھانا کھلا کر بہت خوشی محسوس کرتیں۔ کمزوروں اور یتیموں کی خبر گیری کرتیں اور ہر وقت ان کی مدد کے لیے تیار رہتیں۔ خدا تعالیٰ نے شاید انہی نیکیوں کے انعام کے طور پر آپ رضی اللہ عنہا کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم جیون ساتھی عطا فرمایا۔ آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں زوجہ تھیں۔

آپؓ کا پہلا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حارث بن عبد المطلب کے بیٹے طفیل بن حارث سے ہوا تھا۔ جب طفیل بن حارث نے آپؓ کو طلاق دی تو اُن کے بھائی عبیدہؓ بن حارث کے نکاح میں آئیں۔ آپؓ نے ابتدائی دَور میں ہی اسلام قبول کیا تھا۔ مشرکین مکہ نے جب اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھا تو ظلم و تشدد پر اتر آئے۔ سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ پر بھی طرح طرح کے مصائب و مشکلات آئیں۔ اسی دوران ہجرت کا حکم نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور ہجرت کے بارے میں حکم خدا سنایا۔ شام ڈھلے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ گھر کو لوٹے، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کو سارا ماجرا بتایا۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی نے ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بالآخر ایک دن سیدہ زینب بنت خزیمہ کے گھرانے کے چار فرد حضرت زینبؓ، آپ کے شوہر حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیل اور حصین بن حارث رضی اللہ عنہم یہ سب حضرت. مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس قافلے کا استقبال حضرت عبد الرحمن بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ کچھ دنوں بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ تشریف لے گئے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو

حضرت عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ کا بھائی قرار دیا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے لیے ایک مکان اور کافی ساری زمین وقف کر دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں حضرت عبیدہؓ کا خاص مقام تھا اور لوگوں میں وہ شیخ المہاجرین کے لقب سے مشہور تھے۔ مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ طیبہ میں بھی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حسبِ معمول غرباء اور مساکین پر خرچ کرتی رہیں۔

(ویکی پیڈیا، محمد ابن سعد کتاب الطبقات الکبیر جلد 8)

اسی دوران غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ مدینہ منورہ سے میدانِ بدر کا فاصلہ تقریباً اٹھانوے 98 میل کا تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ جمعہ کی رات 17 رمضان المبارک 2 ھ کو بدر کے قریب اترے۔ یہ اسلامی تاریخ کا حق و باطل کے درمیان پہلا باضابطہ معرکہ تھا۔ دونوں لشکروں میں صف. آرائی ہونے کے بعد دشمنانِ اسلام کی طرف سے کفارِ مکہ کے سردار عتبہ، شیبہ اور ولید میدانِ جنگ میں اترے اور انفرادی لڑائی کے لیے آواز لگائی۔ جس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تین جاں نثار اصحاب " علی، حمزہ اور عبیدہ"(رضی اللہ عنہم) کو بھیجا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما دونوں نے جلد ہی اپنے مدمقابل کو قتل کر کے ڈھیر کر دیا۔

جبکہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ولید میں کافی دیر تک لڑائی جاری رہی اور دونوں ہی زخمی ہو گئے۔ حضرت علی اور حمزہ رضی اللہ عنہم نے آگے بڑھ کر ولید کو بھی قتل کیا۔ اس معرکے میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک پاؤں زخمی ہو گیا تھا یہ زخم بڑا کاری تھا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد جب لشکر مدینے کی طرف واپس ہونے لگا تو مقام صفراء پر آپ رضی اللہ عنہ داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے اور انہیں مقام صفراء پر ہی دفن کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت زینبؓ کی شادی حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے ہوئی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ غزوۂ اُحد میں وہ بھی شہید ہو گئے۔ کفّار نے اُن کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں

پروئے اور نعش کا مُثلہ کیا۔ حضرت زینبؓ کو اُن کی شہادت اور نعش کی بے حرمتی کی خبر ہوئی تو آپؓ نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: اے اللہ! تیرا ہر حال میں شکر، تیری رضا میں میری رضا شامل ہے۔

(ازواج مطہرات صفحہ 208)

اُس وقت مسلمانوں اور حضرت زینبؓ کے قبیلہ میں (جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا) شدید دشمنی پائی جاتی تھی۔ اُن کے قبیلہ نے مسلمان مبلغین کو بھی دھوکہ سے شہید کر دیا تھا۔ ایسے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ اس غم رسیدہ بیوہ کی دلجوئی ہو جائے نیز اُن کے قبیلہ کے دل میں مسلمانوں کے لئے نرمی پیدا ہو جائے، آپؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپؓ نے کہلا بھیجا کہ میرے معاملہ میں آپؐ خود مختار ہیں۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ (چاندی) تقریباً پانچ سو درہم حق مہر پر آپؓ سے ماہ رمضان 3 ہجری میں نکاح فرمالیا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 115 بیروت)

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل فرمانبردار اور مزاج آشنا تھیں۔ قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت سے روایت ہے کہ مَیں ایک روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے پاس بیٹھی تھی اور ہم ان کے کپڑے رنگنے کے لیے سرخ مٹی تیار کر رہے تھے اس دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ آپؐ کپڑے رنگ کرنے کے اہتمام کے لیے رنگنے والی سرخ مٹی دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے دروازے سے ہی واپس تشریف لے گئے۔ حضرت زینبؓ نے یہ دیکھا تو سمجھ گئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت زینبؓ نے پانی لے کر ان کپڑوں کو دھولیا جس سے تمام سرخ رنگ صاف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ واپس تشریف لائے اور کمرے کا جائزہ لیا تو رنگنے والی سرخ مٹی وغیرہ موجود نہیں تھی چنانچہ آپؐ اندر تشریف لے آئے۔

(المعجم الکبیر لطبرانی جلد 24 صفحہ 57 موصل)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اُن کی مزاج آشنائی کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ حضرت زینبؓ اپنے کپڑے گیری میں رنگنے لگیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے اور کپڑے رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت زینبؓ تاڑ گئیں کہ آپ کس بات کی وجہ سے واپس تشریف لے گئے ہیں۔ ہادیوں کے گھر میں ہر وقت الٰہی رنگن چڑھی رہتی ہے۔ جس کا ذکر صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ:139) میں ہے۔ یہ رنگینیاں اس کے مقابل میں کیا چیز ہے۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بناوٹ، زیور اور لباس سے خوش نہیں ہوتا بلکہ نیک بیبیوں کی بناوٹ اور زیور ان کے نیک عمل ہیں۔"

(خطبات نور صفحہ 226)

سامعین! اس میں بھی خواتین کے لیے ایک سبق ہے کہ اپنا سارا وقت ہار سنگھار اور کپڑوں، جوتوں کی خریداری اور فیشن میں ہی نہ ضائع کریں بلکہ اس وقت کو دین پر صرف کریں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روحانی خوبصورتی ہی کی قدر ہے۔

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ لمبی رفاقت نصیب نہیں ہوئی بلکہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی آپؓ کی وفات ہوگئی۔ آپؓ کی وفات کے بارے میں بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپؓ شادی کے تین ماہ بعد وفات پا گئی تھیں اور بعض مورخین کا کہنا ہے کہ تقریباً آٹھ ماہ بعد آپؓ کی وفات ہوگئی تھی۔

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ازواج مطہرات میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مبارکہ تھیں جن کی وفات ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی۔ امہات المومنین میں سے صرف آپؓ ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؓ کی نماز جنازہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی (حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں آیا تھا اور باقی سب ازواج مطہرات نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انتقال کیا)۔ آپؓ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ان کی خوبیاں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مرد و زن دونوں ہوں ہم خیال و ہمرکاب
ازدواجی زندگی ہے کامگار و کامیاب

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿10﴾ ﴿مشاہدات۔442﴾

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

(الاحزاب:36)

ترجمہ: یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کئے ہوئے ہیں۔

مرد و زن دونوں ہوں ہم خیال و ہمرکاب
ازدواجی زندگی ہے کامگار و کامیاب

سامعین کرام! آج میری تقریر کا موضوع سیرت اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا ہے۔

انبیاء بھی اُنہی انسانی قویٰ کے حامل ہوتے ہیں جو تمام انسانوں کے لئے خاص ہیں اسی وجہ سے ہمارے لیے قابل نمونہ بھی ہوتے ہیں اور ان کی ازواج بھی عمومی نسوانی مزاج اور جذبات رکھنے والی اور عام عورتوں

کی طرح خوبیوں اور خامیوں کا مرقع ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی ازدواجی زندگی میں ہر طرح کے رویّوں کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اپنے حقوق کے لئے آواز بھی بلند کرتی ہیں، شکوہ و شکایت بھی کرتی ہیں، زیادہ توجہ کا تقاضا بھی کرتی ہیں، اپنی بات منوانے کے لئے بحث و مباحثہ بھی کرتی ہیں، ناز و انداز بھی دکھاتی ہیں اور غصّہ و تُند مزاجی کا مظاہرہ بھی کرتی ہیں۔ ایسے ہی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی زندگی بھی نظر آتی ہے ۔ آپؐ ہر طرح کے گھریلو معاملات سے گزرے اور نہ صرف خوش اسلوبی کا مظاہرہ کیا بلکہ ہر معاملے میں خود کو افضل النّاس ثابت کیا اور رہتی دنیا تک قابل تقلید نمونہ قائم کیا۔ آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے ایک حضرت ام سلمہؓ تھی جن کا اصل نام ہند تھا اور کنیت اُمّ سلمہ تھی۔ آپؓ کی پیدائش 596ء مکہ میں ہوئی۔ آپؓ کا تعلق قریش کے ایک معزز خاندان مخزوم سے تھا۔ آپؓ کے والد ابوامیہ مکہ کے مشہور اور مخیر حضرات میں شامل تھے۔ جب کبھی سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لیے ”زاد الراکب“ کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے انہی کی آغوش میں نہایت ناز و نعمت سے پرورش پائی۔ حضرت اُمّ سلمہؓ کا پہلا نکاح اپنے چچا کے بیٹے عبد اللہ بن اسدؓ سے ہوا تھا جو کہ تاریخ میں ابو سلمہ کے نام سے بھی مشہور ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ آپؓ نے آغاز نبوت میں ہی اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔ آغازِ اسلام میں جب مصائب کا زمانہ تھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی دفعہ ہجرت کی اجازت دی تو حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

سامعین! ہجرت کرنا کچھ آسان کام نہیں ہوتا بعض دفعہ کئی مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان کو بھی کافی صبر آزما مسائل سے گزرنا پڑا۔ ان کی مدینہ ہجرت کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر اور بچے سلمہ کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں لیکن اُن کے قبیلہ نے مزاحمت کی تھی، اس لیے ابو سلمہ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور یہ اپنے گھر واپس آ گئیں تھیں۔ ادھر سلمہ کو ابو سلمہ کے خاندان والے اُمِّ سلمہ سے چھین لے گئے جس سے اُمِّ سلمہ کو اور

بھی تکلیف تھی، چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتیں۔ سات آٹھ دن تک یہی حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہ کو روتے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا گھر آکر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو، اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو" روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا، چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں، یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، جب حضرت ام سلمہؓ تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو حضرت عثمان بن طلحہؓ سے ملاقات ہوئی۔ جن کے آپؓ اور آپؓ کے خاوند سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ انہوں نے آپؓ سے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا مدینے کا۔ پوچھا کوئی تمہارے ساتھ ہے۔ جواب میں بولیں "خدا تعالیٰ اور یہ بچہ۔" عثمان بن طلحہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، نے کہا۔ تم تنہا نہیں جا سکتیں۔ یہ کہہ کر اونٹ کی مہار (رسی) پکڑ لی اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہا اس سفر کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔ میں نے ایسا شریف انسان کبھی نہیں دیکھا۔ راستے میں جب کہیں ٹھہرنا ہوتا۔ تو اونٹ کو بٹھا کر خود عثمان کہیں دور درخت کے نیچے چلا جاتا اور روانگی کا وقت آتا تو کجاوہ اونٹ پر رکھ کر دور ہٹ جاتا اور کہتا کہ اب سوار ہو جاؤ۔ غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتے ہوئے جب یہ لوگ قبا کے مقام پر پہنچے۔ تو عثمان نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ کہ لو! اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ وہ یہیں مقیم ہیں اور عثمان نے واپس مکہ کا راستہ لیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب مدینہ پہنچیں اور لوگوں کے پوچھنے پر اپنے باپ کا نام بتاتیں تو لوگ یقین ہی نہ کرتے کیونکہ انہیں یقین نہ آتا کہ اتنے معزز گھرانے کی بیٹی اکیلا سفر کر سکتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے تو حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت ہجرت مدینہ کی۔ آپؓ لوگوں کی حیرت پر خاموش ہو جاتیں۔ جب حج کا زمانہ آیا اور ام سلمہؓ نے اپنے گھر والوں کو خط بھیجا تب لوگوں کو یقین آیا کہ یہ ابی امیہ کی بیٹی ہیں کیونکہ ابی امیہ مکہ کے معزز شخص تھے چنانچہ ام سلمہؓ کی عزت مدینے والوں کی نظروں میں اور بھی بڑھ گئی۔"

(سیرت ام سلمیٰؓ صفحہ 6,5، ماخوذ از ازواج مطہرات و صحابیات کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ 161)

سامعین! گو اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا مگر اس واقعہ میں ایک سبق ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ نے اپنی حیا اور پردے کے تقدس کو بہرحال قائم رکھا۔ نہ صرف آپؓ بلکہ اس زمانے کے شرفا میں بھی حیا پائی جاتی تھی۔ پردے سے ہی متعلق ایک اور حدیث ہمیں حضرت ام سلمہؓ کے حوالے سے ملتی ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقدس کاشانے میں تشریف فرما تھے اور آپ کے قریب ہی ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں کہ اچانک حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے، وہ چونکہ نابینا تھے اس لیے یہ سمجھ کر کہ ان سے کیا پردہ کرنا ہے۔ دونوں وہیں بیٹھی رہیں اور پردہ نہ کیا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”ان سے پردہ کرو۔“ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”: یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو نہیں دیکھ سکتے! پھر پردہ کی کیا ضرورت؟“ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا ”: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟“

(سنن ابوداؤد کتاب اللباس)

حضرت اُمِّ سلمہؓ کا ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک شوہر کا ساتھ رہا، ابو سلمہؓ بڑے شہ سوار تھے، بدر اور احد میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں چند زخم کھائے، جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی 4ھ میں ان کا زخم پھٹا اور اسی وجہ سے انہوں نے ہجرت کے چوتھے سال میں وفات پائی۔ حضرت ام سلمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کے مکان پر تشریف لائے۔ آپؐ نے خود حضرت ابو سلمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے لیے دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! ان کو بخش دے اور ان پر رحم کر اور ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند کر دے۔ ان کے پیچھے رہنے والوں میں تو خود ان کا جانشین ہو۔ پھر آپؐ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ان کی قبر کشادہ کر اور اس میں ان کے لیے نور بھر دے۔“

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے آپؐ کی اپنے صحابی سے گہری محبت کا پتہ چلتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب اغماض المیت والدعاء له)

سامعین! سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: ”جب ابو سلمہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے تو میں نے دعا شروع کی اور جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابو سلمہ سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ مجھے ابو سلمہ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابو سلمہ کے جانشین آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوئے۔“

جب امّ سلمہؓ کی عدّت کا زمانہ گزر گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے لئے اِن کا خیال آیا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ایک شارع نبی کی بیوی بننے کی اہل تھیں۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کے ذریعہ انہیں شادی کا پیغام بھجوایا۔ پہلے تو حضرت امّ سلمہؓ نے عذر کیا کہ میری عمر اب بہت ہو گئی ہے اور مَیں اولاد کے قابل بھی نہیں رہی۔ لیکن چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اَور تھی اس لئے بالآخر رضامند ہو گئیں اور اُن کے بیٹے نے اُن کی طرف سے ولی کے فرائض سرانجام دیئے۔ اُس وقت حضرت اُمّ سلمہؓ کی عمر 30 سال تھی اور پہلے شوہر سے اِن کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں چمڑے کا بنا ہوا خاص تکیہ، دو مشکیزے اور دو چکیاں عطا فرمائیں۔

(ماخوذ مطہر عائلی زندگی صفحہ 58)

حضرت اُمّ سلمہؓ بہت حیادار خاتون تھیں، ابتداء میں جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکان پر تشریف لاتے تو ام سلمہ فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ یہ دیکھ کر واپس لوٹ جاتے، عمار بن یاسرؓ کو جو ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو وہ حضرت اُم سلمہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ یہ بچی تمہارے اور رسول اللہؐ کے درمیان حائل ہے اسے میرے سپرد کر دو۔ اس کے بعد جب حضورؐ تشریف لائے تو زینب کو گھر میں نہ پا کر فرمایا ”زناب کہاں ہے“ انہوں نے عرض کیا اسے عمار لے گئے ہیں۔ پھر حضرت عمارؓ نے اپنی بھانجی کی رضاعت کا مناسب انتظام کیا۔ ابن سعد کے مطابق یہ ذمہ داری حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ ادا کرتی رہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 320)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھنے کے بعد تمام ازواج کے گھروں میں (جو ایک ہی جگہ پر تھے) باری باری حال دریافت کرنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اس کا آغاز آپؐ حضرت اُمّ سلمہؓ سے کرتے تھے اور یوں عمر میں بڑی بیوی کا ایک احترام بھی باقی ازواج کے مقابل پر آپؐ نے قائم کروایا۔

حضرت امّ سلمہؓ زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ اپنی یتیم اولاد کی پرورش ثواب کی نیت سے کرتیں۔ ہر مہینہ تین روزے رکھتیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ فیاض تھیں۔ آنحضورؐ سے بہت محبت تھی اور آپؐ کے موئے مبارک تبرّکاً رکھے ہوئے تھے۔ نہایت فہیم، ذکی اور ایمان واخلاص میں اعلیٰ مرتبہ کی حامل تھیں۔ آپؓ لکھنا پڑھنا بھی جانتی تھیں اور مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت میں خاص حصہ لیتی تھیں چنانچہ بہت سی روایات اور 378 احادیث آپؓ سے مروی ہیں۔ اس وجہ سے آپؓ کا درجہ ازواج النبیؐ میں دوسرا اور کُل صحابہ و صحابیات میں بارہواں ہے۔ اکابر صحابہؓ کے انتقال کے بعد آپ مرجع عام بن گئیں۔ فقہ کے مسائل بھی بیان کرتیں جو کسی ابہام کے بغیر صاف اور سیدھے ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یارسول اللہؐ! اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں۔ تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔

(مسند احمد جلد 6 صفحہ 301)

سامعین کرام! حضرت امّ سلمہؓ بہت معاملہ فہم اور صائب الرائے تھیں۔ اگر ہم صلح حدیبیہ کے واقعہ کو دیکھیں تو اس میں بھی ہمیں ایک عظیم الشان مثال نظر آتی ہے کہ کس طرح اس وقت غم کی حالت میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں اور آنحضورؐ کو ایک عورت کے مشورے نے غم سے نکالا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عمرہ نہ ہوسکا اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سب مسلمان یہاں پر ہی اپنی اپنی قربانی دے دیں۔ مگر مسلمان جو کہ غم کی حالت میں تھے آپؐ کے اس ارشاد کی تعمیل نہ کی تو آپؐ اداس اور فکرمندی کی حالت میں اپنی زوجہ حضرت امّ سلمیٰؓ کے خیمہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کی پریشانی سن کر اور دیکھ کر آپؐ کو مشورہ دیا: ”یارسول اللہؐ! آپ رنج نہ فرمائیں۔ آپؐ کے صحابہؓ نافرمان نہیں مگر اس صلح کی شرائط نے

انہیں دیوانہ بنا رکھا ہے۔ پس میرا مشورہ یہ ہے کہ آپؐ ان سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ خاموشی کے ساتھ باہر جاکر اپنے قربانی کے جانور ذبح فرمائیں اور اپنے سر کے بالوں کو منڈوادیں۔ پھر آپؐ کے صحابہ خود بخود آپ کے پیچھے ہو لیں گے۔" آنحضورؐ کو یہ تجویز پسند آئی اور آپؐ نے باہر تشریف لاکر بغیر کچھ کہے اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اپنے سر کے بال منڈوانے شروع کر دیے۔ صحابہؓ نے یہ منظر دیکھا تو جس طرح سویا ہوا شخص کوئی شور وغیرہ سن کر اچانک بیدار ہوتا ہے وہ چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دیوانہ وار اپنے جانوروں کو ذبح کرنا شروع کر دیا اور ایک دوسرے کے سر کے بال مونڈنے لگے۔

(سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 769-770 مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم۔اے)

ہمیں حضرت اُمّ سلمہؓ کی ذہانت کا اندازہ ایک اور روایت سے بھی ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! ایک عورت کو اگر اپنے خاوند کی وفات کے بعد دوسری شادی پھر تیسری یا چوتھی شادی کرنا پڑتی ہے تو وفات کے بعد اگر اس کے سب شوہر بھی جنت میں ہوئے تو وہ ان میں سے کس کے ساتھ ہو گی۔ آنحضورؐ نے فرمایا "اس کا اختیار بیوی کو ہو گا" اس سوال سے حضرت ام سلمہؓ کی رسول کریمؐ سے سچی محبت اور دونوں جہانوں میں معیّت کی خواہش بھی ظاہر ہوتی ہے۔

(اہل بیت رسولؐ از حافظ مظفر احمد، ازواج النبی صفحہ 128)

سامعین! علمی حیثیت میں اگرچہ تمام ازواج بلند مرتبہ تھیں، تاہم عائشہ اور ام سلمہ کا ان میں کوئی جواب نہیں تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں، "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہ اور ام سلمہ کا ان میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا۔"

(طبقات ابن سعد جلد 6 صفحہ 317)

آپؓ کو حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندھوا رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے ابھی زبان مبارک سے اَیُّھَا النَّاسُ (لوگو!) کا لفظ ہی نکلا تھا تو آپ نے مشاطہ (بال گوندھنے والی) کو حکم دیا کہ بال باندھ دو۔ اس نے کہا اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ لیکن حضرت ام سلمہؓ فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور برہمی سے بولیں کیا ہم آدمیوں میں شامل نہیں ہیں؟ اور پھر کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو دحیہ کلبی کے روپ میں تشریف لائے تھے اس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بھی جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔

(ماخوذ از سیرت ام سلمیٰؓ صفحہ 1)

سامعین! دنیائے مادی میں فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا حضرت ام سلمہؓ کی عظیم الشان منقبت ہے جس سے ان کے بلند روحانی درجہ کا پتہ چلتا ہے۔ آپؓ میں اعلی درجہ کی قیادت کی بھی صلاحیت موجود تھی۔ عورتوں کے لیے نماز میں ایک خاتون امامت کرواسکتی ہے اس کا نمونہ بھی ہمیں آپؓ کے اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ خواتین گھر کے ایک جانب نماز ادا کر رہی ہیں۔ آنحضورؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ ام سلمہ! تم کون سی نماز پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ فرض نماز۔ آنحضورؐ نے فرمایا تم امامت کیوں نہیں کرواتیں؟ حضرت ام سلمہؓ نے دریافت کیا کہ کیا یہ درست ہے؟ آنحضورؐ نے فرمایا کیوں نہیں؟۔ بس عورتوں کی امام آگے کھڑے ہونے کی بجائے درمیان میں کھڑی ہو۔ اس طرح حضرت ام سلمہؓ نے پہلی مرتبہ نماز باجماعت میں امامت کروائی۔

(مسند زید بن علی جلد 1 صفحہ 112)

آپؓ بہت فیاض خاتون تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ ایک دفعہ عبد الرحمن بن عوفؓ نے آکر کہا "اماں (اُمّ المؤمنین)! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کرو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں کہ جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر نہ دیکھیں گے"

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا، ام الحسن بیٹھی تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن ام سلمہ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی کو کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو۔ کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے طول کھینچا اور آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں منتقل ہو گئے تو حضرت اُم سلمہؓ آپؐ کو دیکھنے کے لیے جایا کرتی تھیں۔ ایک دن طبیعت بہت مضمحل تھی ضبط نہ کر سکیں۔ بے ساختہ چیخ نکل گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ "یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں"۔ آپؓ نے غزوۂ خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، طاؤس اور طائف کے غزوات میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر کی سعادت حاصل ہوئی۔

سامعین کرام! حضرت اُمّ سلمہؓ نے کافی لمبی عمر پائی اور آپؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً 52 سال تک حیات رہیں۔ آپؓ نے 63 ہجری کے آخر میں یزید کے عہد میں وفات پائی۔ حضرت ام سلمہؓ کی وصیت تھی کہ ان کا جنازہ حضرت سعید بن زیدؓ پڑھائیں جو عشرہ مبشرہ صحابہ رسولؐ میں سے تھے لیکن ان کی وفات چونکہ حضرت ام سلمہؓ سے پہلے ہو گئی تھی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے آپؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔ آپؓ امہات المومنین سب سے آخر میں فوت ہونے والی تھیں۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی صبر واستقامت، علم و عمل، جوشِ اسلامی، محنت و جفا کشی اور عقل و دانش کا ایک روشن باب ہے۔ جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکے گی۔ ان کے کارناموں اور بہادری کی داستانوں کو تاریخ اسلام کے صفحات پر دیکھ کر ان کی زندگی کے شب و روز پر عمل کرتے ہوئے ہماری ماؤں بہنوں کو اپنی زندگی نکھارنا اور سنوارنا چاہیے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿11﴾ ﴿مشاہدات۔444﴾

اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتَ النَّبِىِّ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡذَنَ لَـكُمۡ اِلٰى طَعَامٍ غَيۡرَ نٰظِرِيۡنَ اِنٰٮهُ ۙ وَلٰـكِنۡ اِذَا دُعِيۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانْتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِيۡنَ لِحَدِيۡثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِى النَّبِىَّ فَيَسۡتَحۡىٖ مِنۡكُمۡ وَاللّٰهُ لَا يَسۡتَحۡىٖ مِنَ الۡحَـقِّ ؕ (الاحزاب:54)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے مگر اس طرح نہیں کہ اس کے پکنے کا انتظار کر رہے ہو لیکن (کھانا تیار ہونے پر) جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو اور جب تم کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور وہاں (بیٹھے) باتوں میں نہ لگے رہو۔ یہ (چیز) یقیناً نبی کے لئے تکلیف دہ ہے مگر وہ تم سے (اس کے اظہار پر) شرماتا ہے اور اللہ حق سے نہیں شرماتا۔

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

معزز سامعین! آج مَیں نے اپنی تقریر کے لیے جس شخصیت کا انتخاب کیا ہے وہ ہیں اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا اصل نام بَرّہ (یعنی نیکی) تھا جسے آنحضور صلی اللہ علیہ سلم نے تبدیل کر کے زینب رکھا۔ آپؓ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام جحش بن رباب تھا اور آپؓ کی والدہ کا نام اُمَیمہ تھا جو حضرت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپؓ کی پیدائش کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 21 برس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وہ پلیں، بڑھیں اور جوان ہوئیں، لہٰذا جب وہ مدینہ منورہ تشریف لائیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کفالت میں زندگی کے دن بسر کرنے لگیں۔ آپؓ کی کنیت "اُمّ الحکم" تھی۔ حضرت زینبؓ نے بہت ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا اور جن خواتین نے ابتدائی دَور میں ہجرت کی ان میں حضرت زینبؓ بھی شامل تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ حضرت زید بن حارثؓ کا تعلق ایک آزاد عرب قبیلہ بنو کلب سے تھا لیکن ان کے ایک دشمن قبیلہ نے حملہ کر کے انہیں بچپن میں ہی غلام بنالیا تھا اور حضرت حکیمؓ بن حزام نے انہیں خرید کر حضرت خدیجہؓ کو پیش کر دیا تھا اور حضرت خدیجہؓ نے انہیں رسول کریمؐ کو دے دیا تھا اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تقویٰ اور دینداری دیکھ کر ان کا رشتہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کے لیے بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے اپنے خاندان کی بڑائی دیکھ کر پہلے تو رشتے سے انکار کر دیا لیکن پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو مد نظر رکھ کر رشتے کے لیے رضامند ہو گئیں۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 5 صفحہ 214 بیروت)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی کرنے سے اسلام نے دنیا میں جو مساوات کی تعلیم رائج کی اور پست و بلند کو جس طرح ایک جگہ لا کر کھڑا کر دیا اگرچہ تاریخ میں کئی اور مثالیں بھی موجود ہیں لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس لئے ان سب پر فوقیت و تفوق رکھتا ہے کیونکہ اس سے عملی

تعلیم کی بنیاد پڑی تھی۔ قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کی تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہانِ یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض تقویٰ کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر و غرور کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا اس لئے محبوبِ کبریا صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے دولت علم و عرفان سے مالا مال تھے، بہادر و شجاع بھی تھے اور غزوات میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے، سخاوت و امانت و دیانت میں بھی طرہ امتیاز رکھتے تھے، پیکرِ صبر و رضا تھے، صرف یہ واحد ہستی ہیں جن کا نام قرآن پاک میں آیا ہے لہذا تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک یہی مقصد تھا جیسا کہ اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ رسول عربی صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اس لئے کیا تھا کہ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیں۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنا قبول کر لیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ انہیں اپنا ہم پلہ و ہمسر نہیں سمجھتی تھیں اور یہ وہ جذبہ تھا جس پر کسی کو اختیار نہیں تھا۔ وہ انہیں غلام خیال کرتی تھیں لہذا طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے ان دونوں میاں بیوی میں محبت و پیار نے راہ نہ پائی۔ طبیعت میں بھی قدرے تیزی تھی جبکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بڑے حلیم الطبع اور بردبار تھے۔ لیکن جب کبھی بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے محسن و مربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تلخ و ناخوشگوار حالات کا تذکرہ کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبر و تحمل سے کام لینے کا فرمایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں شکایت سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی بیوی کو روکے رکھ (یعنی طلاق نہ دے) اور اللہ کا تقویٰ اختیار کر (الاحزاب:38)

سامعین کرام! حضرت زینب رضی اللہ عنہا جن صفات واوصاف کی حامل تھیں، ان سے یہ بعید تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ صورت حال پیش آتی۔ دراصل انہیں مشیت ایزدی سے ام المومنین کے خطاب سے نوازا جانا تھا اس لئے ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ

اس سے متبنیٰ بیٹے کے بارے میں جو عرب معاشرے میں غلط باتیں پائی جاتی تھیں ان کا قلع قمع کرنا مقصود تھا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ آپؓ کو طلاق دے دیتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لہذا ایک سال کی ازدواجی زندگی کے بعد 5 ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ اِدھر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا عدت کی مدت پوری کر رہی تھیں اور اُدھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسم تبنیّت کے متعلق لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں جمے ہوئے خیالات کا مکمل طور پر خاتمہ کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی موقع نہ تھا تاکہ شریعت حقہ کی طرف سے نکاح کے لئے حلال کردہ رشتوں کے بارے میں دلوں میں موجود کراہت و حرمت کے جو جاہلانہ تصورات جان گزیں ہیں انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور خود اس رسمِ جاہلیت پر کاری ضرب لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی علم تھا کہ کفار و منافقین اور مخالفین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد عجیب عجیب باتیں بنائیں گے اور اسے ایسا رنگ دیں گے جس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں شک و شبہات جنم لیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا محبوبؐ کسی نوع کی ذہنی الجھن میں مبتلا ہو لہذا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور وحی میں اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الجھن کو یہ فرما کر دور کر دیا کہ اور جب تُو اُسے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے انعام کیا اور تُو نے بھی اُس پر انعام کیا کہ اپنی بیوی کو روکے رکھ (یعنی طلاق نہ دے) اور اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور تُو اپنے نفس میں وہ بات چھپا رہا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تُو لوگوں سے خائف تھا اور اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تُو اس سے ڈرے۔ پس جب زید نے اس (عورت) کے بارہ میں اپنی خواہش پوری کر لی (اور اسے طلاق دے دی)، ہم نے اسے تجھ سے بیاہ دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق کوئی تنگی اور تردّد نہ رہے جب وہ (منہ بولے بیٹے) اُن سے اپنی احتیاج ختم کر چکے ہوں (یعنی انہیں طلاق دے چکے ہوں) اور اللہ کا فیصلہ بہر حال پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ (الأحزاب:38)

حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اصل میں اس کے معنے یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو طلاق دینا چاہتے ہیں۔ آپؐ اس معاملے کو پوشیدہ رکھ کر حضرت زیدؓ کو نصیحت کرتے تھے تا لوگوں

کو یہ ٹھوکر نہ لگے کہ ایک شریف خاندان کی لڑکی ایک آزاد غلام سے بیاہ کر رسول کریمؐ نے اچھا کام نہیں کیا۔"

(بحوالہ تفسیر صغیر صفحہ نمبر 550)

اس سلسلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سورۃ الاحزاب کے تعارف میں فرماتے ہیں کہ

"اس سورۃ کی آیت نمبر 38 میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کا حکم دیا اور یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گراں گزر رہا تھا اور اس کے نتیجہ میں منافق جو اعتراضات کر سکتے تھے ان کا بھی کچھ خوف دامن گیر تھا اس لیے آپؐ اس شادی کے معاملہ میں سخت متردد تھے مگر اللہ کے حکم پر عمل کرنا بہر حال لازم تھا۔"

(ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ صفحہ 727)

سامعین! جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہو گئی تو آپ صلی اللہ وسلم نے حضرت زیدؓ ہی کے ذریعہ اپنے لئے نکاح کا پیغام بھیجا۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 104 بیروت)

حضرت زیدؓ جب زینب رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں۔ حضرت زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے دل پر اس وقت اُن کی عظمت و احترام کا ایک رعب غالب تھا کہ کس عظیم ہستی نے اُن کے لیے پیغام بھجوایا ہے۔ جب حضرت زیدؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا تو حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ میں بغیر اپنے رب کے مشورہ اور استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کر سکتی اور مصلی پر کھڑی ہو گئیں۔

(مسلم کتاب النکاح باب ازواج زینب)

حضرت زینبؓ کی تسلی ہو جانے پر ان کے بھائی ابو احمد بن جحش ولی مقرر ہوئے اور سیرت ابن ہشام کے مطابق چار سو درھم مہر مقرر ہوا۔ یہ نکاح 5 ہجری میں ہوا۔

سامعین! چونکہ یہ نکاح بالکل منفرد تھا اور اس نکاح سے ایک رسمِ بد کا خاتمہ بھی ہوا اس کے علاوہ کئی احکام بھی نازل ہوئے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نکاح کے دوسرے روز ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے جتنا بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کی شادی میں کیا تھا اتنا بڑا ولیمہ کسی اور کے ساتھ شادی میں نہیں کیا اور حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں ایک بکری سے ولیمہ فرمایا تھا۔ پیٹ بھر کر گوشت اور روٹی کھلائی۔

(بخاری 5168، مسلم 1428)

بخاری ہی کی روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کی شادی کے موقع پر روٹی اور گوشت سے ولیمہ کیا اور مجھے کھانا کی دعوت دینے کے لئے لوگوں کے پاس بھیجا میں بلاتا گیا اور لوگ آتے اور کھا کر جاتے پھر لوگ آتے اور کھا کر نکل جاتے یہاں تک کہ جب مجھے بلانے کے لئے کوئی نہ ملا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا۔ اے اللہ کے نبی! اب مجھے کوئی نہیں ملتا کہ میں اسے بلاؤں، آپ نے فرمایا: تو اپنا دستر خوان اٹھا دو، پھر تمام لوگ چلے گئے البتہ تین آدمی گھر میں بیٹھے رہے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔

(بخاری 4793، مسلم 1428)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ فلاں فلاں (نام لے کر) کو بلا لاؤ اور ان کے علاوہ بھی جو ملے بلا لو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے وقت دس دس لوگوں کی ٹولیاں بنا دیں۔ لوگ باری باری حضرت زینبؓ کے لیے تیار کردہ کمرے میں آتے اور کھانا کھا کر واپس چلے جاتے۔

(ترمذی 3218)

آخر میں کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھ رہے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اس موقع پر حضورؐ کئی دفعہ اس کمرے کے پاس آکر اس انداز میں کھڑے ہوئے جیسے انسان مجلس برخواست کرنے کے لئے اٹھتا ہے، لیکن بعض احباب پھر بھی بیٹھے رہے حتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر

چلے گئے۔ حضرت زینبؓ بنت جحش اسی کمرے میں دوسری طرف رُخ کر کے ایک حیادار دلہن کی طرح بیٹھی تھیں اس موقع پر سورۃ احزاب کی آیت حجاب اتری۔ جس میں دعوتوں وغیرہ کے موقع پر بعض دیگر احکام بھی ارشاد کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے مگر اس طرح نہیں کہ اس کے پکنے کا انتظار کر رہے ہو لیکن (کھانا تیار ہونے پر) جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو اور جب تم کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور وہاں (بیٹھے) باتوں میں نہ لگے رہو۔ یہ (چیز) یقیناً نبی کے لئے تکلیف دہ ہے مگر وہ تم سے (اس کے اظہار پر) شرماتا ہے اور اللہ حق سے نہیں شرماتا اور اگر تم اُن (ازواجِ نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ (طرزِ عمل) ہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاؤ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اس کے بعد کبھی اُس کی بیویوں (میں سے کسی) سے شادی کرو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔(الاحزاب:54) اس کے بعد سے باقاعدہ گھر میں پردے کا رواج ہوا۔

(بخاری رقم 4791،4893)

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیات ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں، ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک اور رسم کہ متبنٰی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی، مساوات اسلامی کا وہ عظیم منظر سامنے آیا کہ آزاد کردہ غلام کی تمیز اٹھ گئی، پردہ کا حکم ہوا۔ نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔ ولیمہ میں تکلف ہوا، اسی بنا پر زینب اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں۔

(ترمذی صفحہ 561،اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 464)

ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں، ان میں زینب خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں، خود حضرت عائشہ کہتی ہیں:

"ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں۔"

(صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا۔

(صحیح بخاری کتاب: التوحید، باب: وکان عرشه علی الماء)

سامعین کرام! حضرت زینبؓ نہایت دیندار، عبادت گزار، نہایت قانع اور مخیّر خاتون تھیں۔ اپنے ہاتھ سے روزی کماتی تھیں اور جو آمدنی ہوتی خدا کی راہ میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ اپنے پیارے خاوند کی طرح یتیموں، بیواؤں کی خدمت میں خوشی محسوس کرتی تھیں اسی وجہ سے آپؓ کی وفات پر فقراء اور مساکین میں بے چینی پھیل گئی اور وہ گھبرا گئے کہ ان کے بعد اس قدر ہمارا پُرسان حال اور کون ہو گا؟۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (میری وفات کے بعد جنت میں) تم سب سے زیادہ جلد وہ بیوی ملے گی، جس کے ہاتھ تم سب میں سے زیادہ لمبے ہوں گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر ہم سب اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں، لیکن سب سے زیادہ لمبے ہاتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تھے، کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کام کیا کرتی تھیں اور صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔"

(الحدیث رقم 61: أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب: فضائل الصحابة)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دین دار، زیادہ پرہیز گار، زیادہ راست گفتار' زیادہ فیاض' مخیّر اور خدا کی رضاجوئی میں بہت سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔"

(صحیح مسلم صفحہ 335)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ زینب بڑی نیک اور بڑی روزہ رکھنے والی اور بڑی تہجد گزار تھیں۔

(طبقات 4124، سیر الصحابیات)

سامعین! حضرت زینب بڑی نیک طبیعت کی مالک تھیں، عبادت کا خاص ذوق تھا بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اَوّاہ (نرم دل، اللہ سے ڈرنے والی) کہا ہے۔
ایک موقع پر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی ایک جماعت میں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور حضرت زینبؓ بھی وہاں موجود تھیں۔ آپؓ نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمرؓ کو ناگوار گزری اور انہوں نے تلخ لہجہ میں آپؓ کو دخل دینے سے منع کیا۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر !اِن سے کچھ نہ کہو۔ یہ بڑی عبادت گزار اور خدا سے ڈرنے والی ہیں۔
سامعین! حضرت زینبؓ بنت جحش کی دین داری کا تو یہ حال تھا کہ واقعہ افک کے بعد جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی اور ایک بُری خبر پھیلائی تو اس پروپیگنڈے کا شکار حضرت زینب کی بہن حَمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی ہو گئیں مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تحقیق کے لئے حضرت زینبؓ کو بلایا تو انہوں نے صاف صاف لفظوں میں جواب دیا" یارسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں عائشہ کے متعلق خیر و بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔"

(بخاری 2661، مسلم 2770)

حالانکہ دونوں سوکن تھیں اور سوکنوں کے درمیان فخر و برتری کا احساس فطری ہے۔ حضرت زینبؓ یہ بھی جانتی تھیں کہ حضرت عائشہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں لیکن حضرت زینبؓ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں حضرت عائشہؓ کی قدر و منزلت کم کرنے کا موقع اچھا تھا لیکن حضرت زینبؓ کے کمال تقویٰ نے سچائی اور حقیقت کے سوا کچھ نہیں کہا۔ حضرت زینبؓ میں اطاعت رسولؐ کا جذبہ بھی نمایاں تھا۔ حجۃ الوداع میں واپسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ یہ سفر حج ہے میرے بعد تم گھر کی چار دیواری میں رہنا۔ حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ نے اسکے ظاہری حکم پر پوری زندگی عمل کیا اور دوبارہ حج یا عمرہ کے لئے نہیں نکلیں۔
اس کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بد رسموں کا خاتمہ کیا ان میں عربوں کا کسی کی وفات پر بین کرنا اور سوگ بھی شامل تھا۔ جب حضرت زینبؓ کے حقیقی بھائی کی وفات ہوئی تو آپؓ نے تیسرے دن

خوشبو منگوا کر استعمال کی اور فرمایا کہ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں مگر آج میں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمدؐ کے ایک حکم کی تعمیل کی خاطر ایسا کر رہی ہوں چونکہ میں نے آپؐ کو ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا تھا کہ تین دن سے زیادہ کسی بھی میت پر سوگ نہ کیا جائے سوائے اپنے خاوند کے کہ کس کے لیے بیوہ کو چار ماہ دس دن جو عدت کا زمانہ سوگ میں گزارنا ہوتا ہے۔ اس لیے میں حضورؐ کے حکم کے مطابق تیسرے دن کے بعد اپنا سوگ ختم کرتی ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب حد المرأۃ علی غیر زوجھا)

سامعین! حضرت زینبؓ بنت جحش کا انتقال حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں 20 ہجری میں ہوا۔ اس وقت آپؓ کی عمر 53 سال تھی۔ جس دن آپ نے وفات پائی وہ سخت گرمی کا دن تھا۔ اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قبر پر ایک شامیانہ لگوا دیا تاکہ قبر کی تیاری اور سیدہ کی تدفین میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا شامیانہ تھا جو کسی قبر پر نصب کیا گیا تھا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختصر سا خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تیمارداری، غسل، تجہیز و تکفین اور تدفین کے بارے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا پیغام سنایا اور آپ نے 4 تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جن کی قبر پر شامیانہ لگایا گیا اور ان کے جسد خاکی کے لیے تابوت بنایا گیا تاکہ نامحرموں کی نظروں سے جسم اطہر بچا رہے۔

(ازدواج مطہرات و صحابیات کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ 155-156)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی خواہش تھی کہ قبر میں میت اتارنے کی سعادت حاصل کریں۔ لیکن امہات المؤمنینؓ کا ارشاد تھا کہ انہیں قبر کے سپرد وہی افراد کریں گے جو زندگی میں ان کے پاس آتے جاتے تھے یعنی جن سے شرعاً پردہ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید، محمد بن عبد اللہ بن جحش، عبد اللہ بن احمد، محمد بن طلحہ بن عبد اللہ نے حضرت زینب کو جنت البقیع میں قبر میں اتارا۔ جب نعش قبر میں اتاری جانے لگی تو کپڑا تان کر پردہ کر لیا گیا۔ آپؓ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

(زینب بنت جحشؓ صفحہ 31-32 شائع کردہ لجنہ اماء اللہ پاکستان)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿12﴾ ﴿مشاہدات۔445﴾

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الروم:22)

ترجمہ: اس کے نشانات میں سے (یہ بھی) ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم اُن کی طرف تسکین (حاصل کرنے) کے لئے جاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں ایسی قوم کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں بہت سے نشانات ہیں۔

مرد و زن دونوں ہوں ہم خیال و ہمرکاب
ازدواجی زندگی ہے کامگار و کامیاب

سامعین! آج مَیں نے اپنی تقریر کے لیے جس شخصیت کا انتخاب کیا ہے وہ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھویں زوجہ مطہرہ حضرت جویریہؓ بنتِ حارث ہیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا تعلق عرب کے قبیلہ بنو خزاعہ کی مصطلق شاخ سے تھا۔ آپؓ کے والد کا نام حارث بن ابی ضرار تھا۔ آپؓ کی پیدائش بعثتِ نبویؐ سے دو سال قبل ہوئی۔ حضرت جویریہؓ ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی ہونے کے باعث نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ آپؓ کی پہلی شادی ایک مشرک مسافع بن صفوان نامی شخص سے ہوئی۔ حضرت جویریہؓ کا اصل نام بِرَّہ (بعض اِسے بَرَّہ باء کے زبر سے پڑھتے ہیں) تھا جس کے معنی نیکی کے ہیں لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کا نام تبدیل کر کے جویریہ رکھ دیا تھا۔ (مسلم کتاب الادب باب استجاب تغیر الاسم القبیح)

روایات میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بِرَّہ نام کو تبدیل کر کے نیا نام دے دیا کرتے تھے جیسے حضرت زینبؓ بنتِ جحش کا نام بھی بِرَّہ تھا جسے تبدیل کر کے زینب نام دیا تھا اِسی طرح آپ کو جویریہ نام دیا۔ نام بدلنے میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ چونکہ بِرَّہ کے معنی نیکی کے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ کبھی جب بِرَّہ گھر میں نہ ہوں اور کوئی شخص ان کے متعلق دریافت کرے کہ آیا بِرَّہ گھر میں ہیں یا نہیں تو اسے یہ جواب ملے کہ بِرَّہ گھر میں نہیں ہے جس کے بظاہر یہ معنی ہیں کہ گویا نیکی اور برکت گھر سے اٹھ گئی ہے۔ لیکن بعضوں نے اِس روایت کو ضعیف گردانا ہے۔

سامعین کرام! حضرت جویریہؓ کے والد سردار حارث بن ابی ضرار کو مسلمانوں سے شدید نفرت تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد وہ سرعام کہا کرتا کہ جس فتنے کو مکّہ مدینہ والے ختم نہ کر سکے اُسے ہم قریش کی مدد سے ختم کریں گے۔ یہ اطلاع حضورؐ کو ملی تو آپؐ نے حضرت بریدہؓ کو جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ حالات سے آگاہ ہونے کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور مدینہ سے شعبان 5 ہجری کو فوجی قافلہ روانہ ہوا۔ حارث کو اسلامی فوج کا علم ہوا تو وہ ڈر کر بھاگ گیا۔ اُس کے فوجی بھی اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اُس کے قبیلہ کے لوگوں نے اسلامی فوج کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اُن کے گیارہ افراد مارے گئے، چھ سو جنگی قیدی بنالئے گئے جن میں حارث کی بیٹی بِرَّہ بھی شامل تھی جس کا خاوند مسافع بن صفوان بھی اُسی دن جنگ میں مارا گیا تھا۔

مال غنیمت تقسیم ہوا تو بِرَّہ حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں۔ لیکن اُن کو پسند نہ آیا کہ وہ سردار کی بیٹی ہو کر ایک لونڈی بن کر زندگی گزار دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مالک سے کہا کہ وہ مکاتبت کر لیں یعنی کچھ فدیہ لے کر اُنہیں آزاد کر دیں۔ حضرت ثابتؓ نے 9 اوقیہ سونے پر مکاتبت کر لی۔ لیکن چونکہ بِرَّہ خالی ہاتھ تھیں اس لئے انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے رسول محمدؐ بہت رحمدل ہیں، اُن سے قرض یا مدد کی درخواست کرتی ہوں۔ چنانچہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کر کے مدد کی درخواست کی۔

(سیرت سید البشر صفحہ 478)

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دل میں ڈالا کہ اگر آپؐ اس سے شادی کر لیں تو اسلام کے پھیلنے کے سامان ہو سکتے ہیں اور اس کے قبیلے کے ساتھ دشمنی بھی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے بدل کتابت کی تمام رقم میں خود تمہاری طرف سے ادا کر دوں اور پھر تم کو آزاد کر کے میں خود تم سے نکاح کر لوں تا کہ تمہارا خاندانی اعزاز و وقار برقرار رہ جائے۔ یہ سن کر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادمانی و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اس اعزاز کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت کی ساری رقم ادا فرما کر اور ان کو آزاد کر کے اپنی ازواجِ مطہرات میں شامل فرما لیا اور یہ ام المؤمنین کے اعزاز سے سرفراز ہو گئیں۔ نکاح کے بعد حضرت جویریہ کو اپنے ایک خواب کی تعبیر سمجھ آئی جو انہوں نے اپنی شادی سے قبل دیکھا تھا کہ یثرب (مدینہ) سے ایک چاند آیا اور میری آغوش میں آ گیا۔ اب اس خواب کی تعبیر سامنے تھی۔ اس وقت آپؓ کی عمر 20 سال تھی۔ یہ نکاح 627ء میں ہوا۔

(اُمّ المومنین حضرت جویریہ صفحہ 78 شائع کردہ لجنہ اماء اللہ)

جب اسلامی لشکر میں یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تو تمام مجاہدین ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ جس خاندان میں رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرما لیا اس خاندان کا کوئی فرد لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام مجاہدینِ اسلام کے قبضہ میں تھے فوراً ہی سب کے سب بغیر فدیہ لیے آزاد کر دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہؓ کے نکاح سے بڑھ کر مبارک نہیں ثابت ہوا کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے تمام خاندان بنی مصطلق کو غلامی سے نجات حاصل ہو گئی۔

(اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 420)

دوسری طرف حارث کو جب اپنی بیٹی کو قیدی بنا لینے کی اطلاع ہوئی تو وہ کچھ مال و اسباب لے کر (جس میں اُس کے دو پسندیدہ اونٹ بھی شامل تھے) مدینہ کے لئے روانہ ہوا تا کہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی آزاد کروا لے۔ راستہ میں اُس کی نیت خراب ہو گئی اور اُس نے اپنے دونوں پسندیدہ اونٹ وادیٔ عقیق میں

چھپا دیے اور باقی مال لے کر مدینہ پہنچا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد! میری بیٹی کو آزاد کر دیں، یہ اس کا فدیہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم وادیٔ عقیق میں چھپا کر آئے ہو۔ حارث یہ سُن کر سٹپٹا گیا لیکن دل میں کہا کہ یہ آدمی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ پھر اُس نے اور اُس کے دو بیٹوں عبد اللہ اور عمرو نے اُسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ کو بلایا تو حارث کہنے لگا کہ یہ قبیلے کے سردار کی بیٹی ہے، یہ لونڈی بن کر نہیں رہ سکتی۔ مگر جب اُسے بتایا گیا کہ وہ حضورؐ کی بیوی بن کر رہے گی تو وہ بہت خوش ہوا۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ یہ جویریہ کی مرضی ہے، جہاں وہ رہنا پسند کرے۔ اس پر حضرت جویریہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔

(سیرت الصحابیات صفحہ 79)

سامعین! آپؓ ایک بہادر، ذہین اور سادہ مزاج خاتون تھیں حالانکہ آپؓ کی پرورش ایک امیر گھرانے میں ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بالکل سادگی میں باقی ازواج مطہرات کی طرح آپؓ نے بھی اپنی زندگی گزاری۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کا بہت جذبہ تھا۔ آپؓ اپنا اکثر وقت عبادت میں گزارتی تھیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے حجرے کے ایک کونے کو مخصوص کر لیا تھا۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد سیدھے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لائے تو اس وقت وہ اپنے مصلّٰی پر بیٹھی مشغولِ عبادت تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر بعد دوبارہ ان کے پاس تشریف لائے تو ان کو بدستور مصلّٰی پر بیٹھے مصروف عبادت پایا تو فرمایا: جب سے میں باہر گیا ہوں کیا تم اسی وقت سے اسی جگہ یونہی مصروف عبادت ہو؟ آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جس وقت سے تمہارے یہاں سے اٹھ کر گیا ہوں میں نے تین مرتبہ چار کلمے ایسے پڑھے ہیں اگر ان کا موازنہ آپ کی عبادت کے ساتھ کیا جائے تو وہ چار کلمات فضیلت کے اعتبار سے بڑھ جائیں۔

آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ مجھے بھی وہ کلمات سکھلا دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ، وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ، وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے۔ اتنا قابلِ تعریف اور پاک جتنی اس کی مخلوق کی تعداد ہے اور اتنا پاک ہے جتنا وہ چاہے اور اتنا پاک ہے جتنا اس کے عرش کا وزن ہے اور اتنا پاک جتنا اس کے کلمات کے لکھنے کے لیے سیاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اپنے روزمرہ کے اذکار میں ان کلمات کو بھی شامل کر لیا جائے۔

حضرت جویریہؓ کی بعض روایات سے آپؓ کے دینی شوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپؓ کو جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں وقت میسر آیا اس میں آپ نیکی اور عبادت کے اعلیٰ معیار پر قائم ہو گئیں۔ آپؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے جمعہ کے دن کا روزہ رکھا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپؐ کو پتہ چلا تو پوچھا کہ کیا آپ نے کل بھی روزہ رکھا تھا کیونکہ جمعہ کا اکیلا روزہ رکھنا منع ہے سوائے اس کے کہ اس سے پہلے ایک دن یا اگلے دن بھی روزہ رکھا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جویریہؓ کو یہ بات معلوم نہ تھی انہوں نے عرض کیا کہ کل تو میرا روزہ نہیں تھا۔ آنحضورؐ نے فرمایا کیا آنے والے کل میں روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ عرض کیا نہیں بس! آج جمعہ کا ہی روزہ رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا اکیلا روزہ مناسب نہیں ہے اس لیے افطار کر دو۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم باب صوم یوم الجمعہ)

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کے ہاں آئے اور پوچھا: کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کیا: میری کنیز نے صدقے کا گوشت دیا تھا، بس وہی موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ صدقہ جس کو دیا تھا اُس کو پہنچ چکا۔ کیونکہ صدقہ غریب کے لیے تھا لیکن اگر وہ کسی کو آگے دینا چاہے تو وہ تحفہ ہے۔ اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت تناول فرمایا۔

(مستدرک الصحیحین امام عبد اللہ حاکم نیشاپوری جلد 4 صفحہ 29 بیروت)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ آپؓ کو صرف چھ سال میسر آیا۔ یہ ٹھنڈی چھاؤں جس میں سکون ہی سکون تھا۔ محبت، خوشیاں، دلداری کی راحتیں اور خدا نما وجود کی محبت تھی۔ وہ ساتھ چھوٹ گیا۔ جس پاک ہستی کو دیکھ کر آپؓ کو بے حد خوشی ملتی تھی۔ آپؓ نے آخری قربانی یہ کی کہ اُس محبوب شوہر کی آخری بیماری میں اس کے آرام اور راحت کی خاطر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رہنے کی اجازت دے دی۔ جب انسانِ کامل، محبت کے پیکر رسول خداؐ کا وصال ہوا تو ایسا لگا کہ جیسے ساری دنیا میں اندھیرا چھا گیا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ہونٹوں پر دعا تھی کہ "اے باری تعالیٰ! تُو جس حال میں رکھے، راضی ہوں۔ بس مجھے حوصلہ عطا فرما"۔ اس کے بعد جب بہت بے قرار ہوتیں تو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں چلی جاتیں۔ اندر داخل ہو کر سلام عرض کرتیں اور قدموں میں بیٹھ کر آنسو بہاتیں اور دل کی باتیں کرتیں۔

(اُمّ المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔ شائع کردہ لجنہ اماء اللہ)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے 50 ہجری ربیع الاول کے مہینے میں وفات پائی۔ مدینہ منورہ کے حاکم مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ باقی ازواج مطہرات کی طرح آپ کو بھی جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

سامعین! آپ رضی اللہ عنہا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ اور حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر آغاز میں ایسی گرویدہ ہو گئیں اور ایسی سچی محبت اُن کے دل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدا ہو گئی جو ایک حقیقی مومن کی شان ہے۔ اس محبت نے ان کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ کہاں ایک رئیس سردار کی شان و شوکت میں پلی بیٹی اور کہاں اپنے محبوب خاوند کے ساتھ ایک نہایت ہی سادہ زندگی میں آپؐ کی صحبت سے فیض پا کر اُمّ المومنین کا درجہ پانے والی عظیم خاتون تھیں اور ہم سب کے لیے ایک نمونہ بھی ہیں۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿13﴾ ﴿مشاہدات۔ 451﴾

اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(الممتحنہ:8)

ترجمہ: قریب ہے کہ اللہ تمہارے اور اُن میں سے اُن لوگوں کے درمیان جن سے تم باہمی عداوت رکھتے تھے محبت ڈال دے اور اللہ ہمیشہ قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سیرت اُمّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کائنات میں سب سے ارفع و اعلیٰ خواتین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن ہیں، جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے کا شرف بخشا، انہیں اُمت کی مائیں قرار دیا اور انکی طہارت و پاکیزگی کی گواہی قرآن مجید میں سورہ احزاب کی آیت نمبر 36 میں ارشاد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے خانوادہ رسول میں کیسے انمول ہیرے جمع کیے تھے۔ انہیں کس قدر احساس اور شعور تھا کہ وہ اُمّت کی مائیں ہیں اور انہی سے آئندہ آنے

والی نسل کی تربیت ہونی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ آج کئی سو سال گزرنے کے بعد بھی یہ باتیں ہماری خواتین کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ کا اصل نام رَملہ تھا۔ اُمِّ حبیبہ ان کی کنیت تھی وہ حضرت ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں جو کئی سال تک مسلمانوں کے دشمن رہے اور جنگ و جدل میں مصروف رہے بالآخر فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ ابوسفیان قریش کے نامور سردار تھے۔ وہ ابوسفیان جس نے اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرتوں کی آگ بھڑکا کر کئی جنگیں لڑیں اور قیصر روم کے سامنے دلائل سے عاجز آکر جب بادشاہ کے دربار سے باہر نکلا تو حسرت ویاس سے کہنے لگا کہ "محمد کا اتنا اثر بڑھ رہا ہے کہ رومیوں کا بادشاہ بھی اُس سے خائف ہے۔ یہ غالب ہو کر رہے گا۔"

(بحوالہ حضرت محمدؐ از مولانا غلام باری سیف صفحہ 119)

حضرت ام حبیبہؓ کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابو العاص بن امیہ تھا۔ وہ حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت اُمِّ حبیبہ کے بھائی حضرت امیر معاویہؓ کا شمار کاتبین وحی میں ہوتا ہے۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے 17 برس پہلے پیدا ہوئیں اور آپؐ کی پیدائش سے 23 سال قبل واقعہ فیل ہوا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے آپؓ کا نام ہند بھی لکھا ہے۔ آپؓ بہت خوبصورت تھیں۔ صحیح مسلم میں خود ابوسفیان کی زبانی منقول ہے :عِنْدِی أَحْسَنُ الْعَرَبِ وَأَجْمَلُهُ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ یعنی میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت اُم حبیبہ بنت ابوسفیان موجود ہے۔

(صحیح مسلم،كِتَاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ،بَاب مِنْ فَضَائِلِ أَبِي سُفْيَانَ)

حضرت اُمّ حبیبہؓ کی پہلی شادی حضرت عبید اللہ بن جحش سے ہوئی۔ دونوں نے ابتدائی دَور میں اسلام قبول کیا جبکہ اُس وقت ابوسفیان کا مسلمانوں سے سلوک انتہائی معاندانہ تھا۔ تاہم آپؓ کے دل میں اسلام کی صداقت کا نُور چمک اُٹھا تھا اور آپؓ نے اس امر کی پرواہ نہیں کی کہ میرا باپ اسلام کی مخالفت میں عروج پر ہے اور میں اس نور کی گرویدہ ہو رہی ہوں۔ آپ مخالفت کے اس دور میں ایک روشن ستارے کی طرح ابھریں اور اپنی نیک خصلت کے باعث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آکر اُمّ المومنین کا مقام حاصل کیا۔ حضرت عبید اللہ بن جحش سے شادی کے بعد مکہ کے لوگوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر جب

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ صحابہ کو ہجرت کرنے کا ارشاد فرمایا تو آپؓ نے بھی اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ میں آپؓ کی ایک بیٹی حبیبہ پیدا ہوئی جس کی وجہ سے آپؓ کی کنیت اُمِّ حبیبہ پڑ گئی۔

سامعین! اسلام قبول کرنے کے بعد آپؓ کو جہاں مکہ میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا وہاں حبشہ ہجرت کے بعد بھی آپ کے لئے امتحان ختم نہ ہوئے۔ حبشہ میں یہ ہوا کہ حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر عبید اللہ نے وہاں کا مذہب عیسائیت اختیار کر لیا۔ اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضرت اُمّ حبیبہؓ کو ایک رؤیا کے ذریعہ سے پہلے سے ہی دے دی تھی۔ آپؓ خود بیان فرماتی تھیں۔ ”ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے شوہر عبید اللہ بن جحش کی شکل بگڑ گئی ہے اور مجھے بد صورت اور بد زیب دکھائی دے رہے ہیں اور میں کہتی ہوں کہ خدا کی قسم! ان کی تو حالت ہی بدل گئی ہے۔“ اگلی صبح پتہ لگا کہ وہ اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر چکے ہیں۔ آپؓ بیان کرتی تھیں کہ میں نے انہیں کہا کہ یہ تمہارے لئے بہتر نہیں، میں نے انہیں اپنی خواب بھی سنائی تھی مگر انہوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ پھر عیسائی ملک حبشہ کی آزادیوں اور شراب وغیرہ کی طرف رغبت میں وہ کچھ یوں کھو گئے کہ اسی حال میں ان کی وفات ہو گئی۔ عُبید اللہ اپنی بیوی سے کہنے لگے کہ میں نے اپنے مسلک پر غور کیا ہے اور مجھے عیسائی مذہب سے بہتر کوئی دین نظر نہیں آیا۔ دراصل میں اسی دین پر تھا جب مسلمان ہوا اور اب پھر عیسائیت قبول کر چکا ہوں۔

(مستدرك على الصحيحين امام عبد اللہ حاکم نیشاپوری جلد 4 صفحہ 21-22 بیروت)

سامعین کرام! حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی بھی ایک الٰہی تقدیر تھی۔ شادی سے پہلے حضرت امّ حبیبہؓ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نووارد نے انہیں اُمّ المومنین کے لقب سے مخاطب کیا جس سے پہلے تو وہ ڈر گئیں۔ مگر خوشا نصیب کہ اس کی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ دراصل اُم المؤمنین حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کی اپنے وطن مکہ مکرمہ سے دوری، شوہر کے مرتد ہونے اور حالتِ ارتداد میں موت یہ سب سانحات ایسے تھے جن سے آپ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمات پہنچے لیکن اس کے باوجود صبر و تحمل کا دامن نہیں چھوڑا بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور زیادہ مصروف ہو گئیں۔ ہجرت حبشہ میں آپؓ کی ہمسفر خواتین آپ رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ

دلاسہ دیتیں۔ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حبشہ کے مہاجرین کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اُمِّ حبیبہؓ مشکل ترین حالات سے دوچار ہیں۔ خاوند مرتد ہو کر فوت ہو چکا ہے اور اس کی گود میں بچی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے ہی آپؓ کی اسلام کے ساتھ کی جانے والی وفاؤں اور قربانیوں اور اس کے نتیجہ میں آپؓ پر ڈھائے جانے والے مظالم سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ نبی پاکؐ کو جب ان کے اس طرح کسمپرسی کے حالات میں زندگی بسر کرنے کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے حضرت اُمِّ حبیبہؓ کی عدت پوری ہونے کے بعد حضرت عمرو بن امیہ ضُمری کے ہاتھ نجاشی کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ سیدہ اُمِّ حبیبہؓ سے برضاء ورغبت معلوم کر کے ان کا نکاح میرے ساتھ کر دیا جائے۔

(مطہر عائلی زندگی صفحہ 76-77)

سامعین! حضرت اُمِّ حبیبہؓ اپنی شادی کا احوال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ ''شاہ حبشہ نجاشی کی خادمۂ خاص ابرہہ نامی تھی جس کے سپرد بادشاہ کے لباس اور خوشبو وغیرہ کے انتظام کی ذمہ داری تھی۔ اس نے آکر مجھے یہ پیغام دیا کہ بادشاہ سلامت فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے انہیں لکھا ہے کہ وہ آپؓ کا نکاح حضورؐ کے ساتھ کر دیں۔ میرے دل سے پردیس میں یہ خوشخبری لانے والی لونڈی ابرہہ کے لیے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ ابرہہ نے مزید کہا کہ بادشاہ سلامت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آپؓ نکاح کے لئے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دیں۔ چنانچہ میں نے اپنے ماموں خالدؓ بن سعید بن العاص کو اس غرض کے لئے وکالت نامہ کا پیغام بھجوایا اور خوش ہو کر ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن، دو پازیبیں اور انگوٹھیاں بطور انعام دیں۔ اسی شام شاہ حبشہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور وہاں موجود دیگر مسلمانوں کو جمع کر کے خود رسول اللہؐ کا خطبۂ نکاح پڑھا۔ حمد و ثنا اور تشہد کے بعد انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے مجھے لکھا ہے کہ میں ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان کے نکاح کا اعلان آپؐ کے ساتھ کر دوں۔ اس کی تعمیل کرتے ہوئے ان کا حق مہر میں چار سو دینار (نقد) مقرر کرتا ہوں۔ پھر بادشاہ نے دیناروں کی تھیلی لوگوں کے سامنے بکھیر کر رکھ دی۔ اس پر حضرت امّ حبیبہؓ کے وکیل حضرت خالدؓ بن سعید کھڑے ہوئے، انہوں نے اس نکاح کو قبول کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لئے یہ رشتہ بہت مبارک

فرمائے۔ بادشاہ نے حق مہر کی رقم حضرت خالدؓ بن سعید کے سپرد کر دی۔ جب لوگ اٹھ کر جانے لگے تو نجاشی شاہ حبشہ نے کہا ''انبیاء کی سنّت ہے کہ ان کی شادی کے موقع پر کھانا کھلایا جاتا ہے'' چنانچہ انہوں نے کھانا منگوایا۔ بادشاہ ہو کر رسول اللہؐ کی غلامی کا دم بھرنے والے اس وفا شعار صحابی حضرت اصحمہ نجاشیؓ کی دعوتِ طعام میں شامل ہو کر تمام اصحاب خوشی خوشی گھروں کو واپس لوٹے۔

حضرت امّ حبیبہؓ مزید بیان فرماتی تھیں کہ جب حق مہر کی رقم مجھے پہنچی تو میں نے بادشاہ کی خادمہ ٔخاص ابرہہ کو بلوا بھیجا اور اُسے کہا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی خوشخبری لائی تھی تو میرے پاس کوئی مال نہ تھا اس وقت جو میّسر تھا وہ تمہیں دے دیا اب پچاس دینار مزید تمہیں بطور انعام دیتی ہوں۔ اس پر ابرہہ نے میرے تحفہ میں دیئے ہوئے زیورات کا ڈبہ مجھے واپس کرتے ہوئے کہا کہ بادشاہ سلامت نے فرمایا ہے کہ کوئی تحفہ لے کر میں آپؓ کے مال سے ذرا بھی کم نہ کروں، بادشاہ کے لباس کی تیاری اور تیل خوشبو وغیرہ مہیا کرنے کی نگرانی میرا کام ہے اور میں رسول کریمؐ کا دین قبول کر کے مسلمان ہو چکی ہوں۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ بادشاہ نے اپنی بیگمات کو ہدایت کی ہے کہ وہ سب آپؓ کو اپنی طرف سے خوشبو کے تحائف بھجوائیں۔ پھر اگلی صبح وہ میرے لیے عُود اور عنبر وغیرہ کی خوشبوئیں اور پاؤڈر وغیرہ لے کر آئیں۔ حبشہ سے یہ تحائف لے کر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئی تو یہ چیزیں استعمال کیا کرتی تھی۔ آپؐ نے کبھی ان کو ناپسند نہیں فرمایا۔

بادشاہ کی خادمہ ٔخاص ابرہہ نے مجھے وہ تحائف دیتے ہوئے کہا کہ اب آپؓ کو بھی میرا ایک کام کرنا ہو گا اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام کہنا اور عرض کرنا کہ میں آپؐ کا دین اختیار کر کے مسلمان ہو چکی ہوں۔ اسکے بعد جب تک میں وہاں رہی، ابرہہ نے مجھ سے بہت ہی محبت کا سلوک کیا۔ تقریبِ نکاح پر بھی اسی نے مجھے تیار کیا تھا۔ وہ جب مجھے ملنے آتی تو مجھے یاد کروانے کی خاطر کہتی کہ بی بی! میرا کام بھول نہ جانا۔

حضرت ام حبیبہؓ بیان کرتی تھیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ حاضر ہوئی تو آپؐ کو بتایا کہ حبشہ میں نکاح وغیرہ کی تقریب کس طرح ہوئی تھی اور شاہی خادمہ ابرہہ کے جو واقعات و معاملات میرے ساتھ گزرے ان کا بھی میں نے ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے

خوب محظوظ ہوئے۔ پھر مجھے بادشاہ کی خادمہ ابرہہ کا پیغام یاد آیا اور میں نے اس کا سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا وَ عَلَیْھَا السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہ اس پر بھی سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ پھر شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انہیں بڑی کشتیوں کے ذریعہ مدینہ بھجوانے کا بھی انتظام کیا۔"

(اہل بیت رسولؐ، ازواج النبیؐ حضرت اُمّ حبیبہؓ صفحہ 169-170)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت اُمُّ المومنین کی عمر 30 سال تھی اور یہ نکاح 7 ہجری میں ہوا تھا۔

(طبقات ابن سعد)

مسند احمد کی روایت کے مطابق سیدہ کی عمر 36۔37 سال تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؓ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جس دن حضرت اُمّ حبیبہؓ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے سفر کر کے مدینہ پہنچیں، وہ بہت مبارک دن تھا۔ اس دن خیبر فتح ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہ خوشیوں کی برسات کی تھی جو کہ خیبر کی فتح، اپنے دودھ شریک بھائی جعفر الطیار سے ملاقات اور حضرت اُمّ حبیبہؓ کی رخصتی پر مشتمل تھی۔

معزز سامعین! حضرت اُمِّ حبیبہؓ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی میں کئی حکمتیں تھیں جو اپنے وقت پر ظاہر ہوئیں۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کے مطابق سورہ ممتحنہ کی مندرجہ بالا آیت نمبر 8 جس کی تلاوت تقریر کے آغاز پر مَیں کر آیا ہوں۔ حضرت امّ حبیبہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے وقت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ اللہ تمہارے اور اُن میں سے اُن لوگوں کے درمیان جن سے تم باہمی عداوت رکھتے تھے محبت ڈال دے اور اللہ ہمیشہ قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 4 صفحہ 41)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کفارِ مکّہ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان رشتہ داروں سے رشتے ناطے منقطع کر چکے تھے اور ان کے دلوں میں مسلمان اولاد، والدین یا بہن بھائیوں کے لئے کوئی نرم گوشہ باقی نہ رہا تھا۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے شادی کرنے کا ایک مقصد بیوگان کا تحفظ بھی تھا اور ایک مقصد یہ تھا کہ مشرکین کی اولادوں کے رشتے جو مسلمانوں کے ساتھ ہو رہے ہیں شاید اس طرح اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا کر دے اور وہ اسلام قبول کر لیں۔ اس کی ایک مثال حضرت اُم حبیبہؓ کے والد ابوسفیان کا اسلام قبول کرنا ہے۔ ابوجہل تو غزوہ بدر میں مارا گیا تھا اس کے بعد مشرکین کی طرف سے دوسرے بڑے سردار ابوسفیان ہی تھے جو کفار کے لشکر کی نمائندگی کرتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں واقعۃً اس مودّت کے آثار نظر آتے ہیں جن کا مندرجہ بالا آیت میں ذکر ہے۔ مثلاً کفار مکہ نے جب حدیبیہ کا معاہدہ توڑا تو اس کی تجدید کے لیے ابوسفیان ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے جن کو اپنے رشتہ مصاہرت کے باعث ہی یہ جرأت ہوئی کہ وہ حالت جنگ میں امن کے ساتھ حضورؐ کے پاس مدینہ میں آکر بات کریں کہ اس معاہدہ کی توثیق کی جائے اور اسی تعلق کے نتیجہ میں فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضورؐ نے اُن کی دلداری کرتے ہوئے یہ کہہ کر اُن کو عزت بخشی کہ جو ابوسفیان اور اس کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان دی جائے گی۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی اسی رشتہ کی وجہ سے کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔

سامعین! حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو عبادت اور دعاؤں سے خاص شغف تھا۔ آپؓ ہمیشہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے والد اور بھائی کے لیے دُعا کیا کرتی تھیں۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر دل و جان سے فدا تھیں اور آپؐ کی ذات اور شانِ اقدس کے لئے بڑی غیرت رکھتی تھیں۔ آپؓ کی زندگی کا ایک بڑا مشہور واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی توسیع کے لئے ابوسفیان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اپنی بیٹی اُمّ حبیبہؓ کے ہاں پہنچا۔ باپ بیٹی کی یہ پندرہ برس بعد ہونے والی ملاقات تھی۔ جب باپ بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے بستر سمیٹ دیا اور کہا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے جبکہ تم مشرک اور نجس ہو اور مجھے یہ پسند نہیں کہ تم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھو۔ وہ بولا کہ تم میرے بعد بہت خراب ہو گئی ہو۔ آپؓ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا ہے اور تم بہرے اور اندھے بتوں کی پرستش کرتے ہو حالانکہ تم قریش کے سردار ہو۔ آپؓ کی ایسی ہی باتوں نے ابوسفیان کی نفرتوں میں دراڑیں ڈال دیں اور فتح مکّہ کے موقع پر

وہ ایمان لے آیا۔ محسنِ انسانیت نے یہ کہہ کر اُس کو عزّت بخشی کہ جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے گا اُس کو امان دی جائے گی۔

(ماخوذ نبیوں کا سردارؐ صفحہ 190)

آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نہایت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتی تھیں۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ہر روز بارہ رکعات پڑھ لے جو نفل کے زمرے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔ حضرت ام حبیبہؓ نے اپنی پوری زندگی پھر ان بارہ رکعات کو کبھی نہیں چھوڑا۔

(صحیح مسلم کتاب المسافرین و قصرھا)

سوگ منانے کے ضمن میں حضرت زینب بنت ابی سلمٰی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، ان دنوں آپ کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے میری موجودگی میں زرد رنگ کی خوشبو منگوائی۔ پہلے اپنی لونڈی کو لگائی پھر اپنے ہاتھ اور اپنے رخساروں پر ملی اور ساتھ ہی فرمایا: خدا کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی کوئی خواہش نہیں۔ مگر مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان لانے والی کسی بھی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی مرنے والے کا سوگ کرے۔ البتہ بیوی اپنے خاوند کے مرنے پر چار ماہ دس دن سوگ میں گزارتی ہے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب احداد المرأۃ علیٰ غیر زوجھا)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی وہ باپ کی محبت پر حاوی تھی۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ حبیبہؓ کے پاس اُن کے بھائی معاویہ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا: اُمّ حبیبہ! کیا تمہیں معاویہ پیارا ہے؟ انہوں نے کہا: ”ہاں، یارسول اللہ“۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ”اگر تمہیں پیارا ہے تو مجھے بھی پیارا ہے۔“ (سیّد الانبیاء صفحہ 134)

خلیفۂ وقت کی اطاعت اور نظام خلافت کے استحکام کے لئے آپؓ کسی قربانی سے دریغ نہ کرتیں۔ چنانچہ جب مخالفین نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا تو آپؓ پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ کھانا لے کر خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چل دیں لیکن بُلوائیوں نے آپؓ کو حضرت عثمانؓ تک پہنچنے نہیں دیا۔ بعض نے کہا بھی کہ یہ اُمّ المومنین ہیں مگر اس پر بھی وہ باغی باز نہیں آئے اور آپؓ کے خچر کو مارنا شروع کر دیا اور اس کے پالان کے رَسّے کاٹ دیے اور زین الٹ گئی۔ قریب تھا کہ حضرت اُمِّ حبیبہؓ گر کر ان مفسدوں کے پیروں کے نیچے روندی جاتیں اور شہید ہو جاتیں کہ بعض مخلصین اہلِ مدینہ نے جو قریب تھے جھپٹ کر انہیں سنبھالا اور گھر پہنچا دیا۔

(تاریخ طبری محمد بن جریر جلد 6 صفحہ 3010 بیروت)

سامعین! امہات المؤمنین کے واقعات جاننے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہمیں احساس ہوتا ہے کہ وہ امت کی مائیں تھیں، اللہ کی چنیدہ تھیں۔ اُن میں بھی وہ ساری باتیں تھیں اور ویسا ہی رد عمل کرتی تھیں جن سے عام خواتین گزرتی ہیں . سوکنوں کی آپس کی نوک جھونک لیکن اخلاقیات کے وہ اعلیٰ پیمانے کہ اس میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نظر آتی ہے۔ وفات کے قریب حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سوکنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں بھی کبھی ہو جایا کرتا تھا، اس لیے مجھ کو معاف کر دو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی تو بولیں، تم نے مجھ کو خوش کیا، خدا تم کو خوش کرے۔

(مستدرك الصحیحین امام عبد اللہ حاکم نیشاپوری جلد 4 صفحہ 22 بیروت)

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہ نے 44 ہجری میں 73 سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہ آپؓ کے بھائی امیر معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ اُم المومنین ہونے کے ناطے دیگر ازواج کے ساتھ جنت البقیع میں ہی آپؓ کی تدفین زیادہ قرین قیاس ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿14﴾ ﴿مشاہدات۔452﴾

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الاحزاب:60)

ترجمہ: اے نبی! تُو اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر جھکا دیا کریں۔ یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور انہیں تکلیف نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

مرد و زن دونوں ہوں ہم خیال و ہمرکاب
ازدواجی زندگی ہے کامگار و کامیاب

معزز سامعین! آج میری تقریر میں جس ہستی کا ذکر ہے وہ ہیں اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دنیا کی اُن چند خوش نصیب خواتین میں شامل ہیں جنہیں خدا کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا اور اُم المومنین کہلائیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ کے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیّ بن اخطب کی بیٹی تھیں جس کا شجرۂ نسب حضرت ہارون علیہ السلام تک جاتا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ آپؓ کا اصل نام زینب تھا۔ والدہ کا نام بِرّہ بنتِ شموئیل تھا۔ آپؓ کا تعلق ایک امیر و کبیر خاندان سے تھا۔ آپؓ کے پاس اپنے ذاتی استعمال کے لیے ایک سو کے قریب لونڈیاں موجود تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے تقریباً 2 سال بعد میں ہوئی۔

حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی غالباً چودہ سال کی عمر میں خیبر کے ایک یہودی سردار سلام بن مشکم سے ہوئی۔ جو طبائع کے اختلاف کی وجہ سے کامیاب نہ ہوئی اور اُس نے آپؓ کو طلاق دے دی۔ پھر آپؓ کی دوسری شادی مدینہ کے دوسرے یہودی قبیلے بنو قریظہ کے ایک یہودی شاعر اور سردار کنانہ بن ابی الحقیق سے جنگ خیبر سے کچھ عرصہ قبل ہی ہوئی تھی۔ آپؓ کی ان دونوں شادیوں سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ 7 ہجری میں جنگِ خیبر ہوئی جس میں آپؓ کے خاوند اور والد مارے گئے۔ اس موقع پر قلعہ قموص کی فتح پر جو عورتیں قید ہوئیں ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ فتح خیبر کے وقت آپ کی عمر سترہ برس تھی۔ عرب کے رواج کے مطابق ان قیدیوں کو بھی تقسیم کیا گیا۔ وحیہ کلبیؓ نے ایک لونڈی کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی حضورؐ نے آپ کو انتخاب کی اجازت دی۔ وحیہؓ نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا۔ اس پر ایک صحابی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہؐ! صفیہؓ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی شہزادی ہیں، وہ آپؐ کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہیں۔ اس پر آپؐ نے اس صحابیؓ کی بات کو تسلیم فرمایا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت صفیہؓ پیش ہوئیں تو آپؐ نے ان کی تکریم کی اور فرمایا کہ تم اپنے دین پر رہنا چاہو تو تمہیں اس کا پورا اختیار ہے، تم پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں۔ ہاں! اگر اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرو تو اس میں بہرحال تمہاری بھلائی ہے۔ صفیہؓ نے کہا۔ میں آپؐ کو سچا سمجھتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا میں سچا ہوں مگر جو میں نے بتایا ہے اس کے پیش نظر فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ نے اللہ، اس کے رسول اور اسلام کو اختیار کر لیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انہیں آزاد کر دیا بلکہ انہیں یہ بھی اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو آپؐ کے عقد میں آسکتی ہیں اور اگر چاہتی ہیں تو اپنے خاندان والوں کے پاس بھی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آنے کو ترجیح دی۔ آپؐ نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ بار بار اور مسلسل ایسے حالات پیدا ہوتے رہے کہ کوئی نہ کوئی دوسری راہ حضرت صفیہؓ کے سامنے آتی رہی جس کی وجہ سے آپؓ کا رخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری طرف بھی مڑ سکتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپؓ کی سمت وہی معین کئے رکھی جو اُس کی تقدیر کے تحت آپؓ کو خواب میں بتائی گئی تھی۔ (ماخوذ از ازواج مطہرات و صحابیات کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ 213-214)

عرب میں مالِ غنیمت کا جو بہترین حصہ سردار یا بادشاہ کے لیے مخصوص کیا جاتا تھا اُس کو "صفیہ" کہا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص مالِ غنیمت کو "الصفّی" کہا جاتا تھا۔ صفیہ کا ایک اور معنی پاک صاف وجود اور مخلص ساتھی بھی ہے ان معنوں پر بھی حضرت صفیہؓ پوری اترتی تھیں۔ یہ شادی بھی قوم کے مفاد کی خاطر تھی کیونکہ صحابہ کا مشورہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی وجہ سے حضرت صفیہؓ کی عزت و احترام و لحاظ یہود خیبر پر ایک احسان ہو گا جو ان کی دشمنی کو کم کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ اس مشورے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے اپنے حرم میں شامل کر لیا اور اور غلامی سے آزادی کو اُن کا حق مہر قرار دیا جس کو حضرت صفیہؓ نے بخوشی قبول کیا۔

(صحیح مسلم کتاب النکاح)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو عدّت مکمل کرنے تک حضرت اُمِّ سلیمؓ کے سپرد کیا تاکہ عدت مکمل ہونے کے بعد وہ انہیں شادی کے لیے تیار کر دیں۔ خیبر سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سد الصہباء کے مقام پر پڑاؤ کیا اور تین رات یہاں قیام فرمایا۔ اسی جگہ حضرت اُمِّ سلیمؓ نے حضرت صفیہؓ کو دلہن بنا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی۔مسلم کتاب النکاح)

سامعین کرام! حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اپنے والدین اور اپنی آزادی پر اللہ اور اس کے رسولؐ کو ترجیح دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آنا پسند فرمایا تو صحابہؓ اس انتظار میں تھے کہ اگر آپؐ حضرت صفیہؓ کو پردہ میں لے آئے تو پھر وہ امہات المؤمنین میں سے ہوں گی اور اگر پردہ نہ کرایا تو پھر کنیز کے طور پر ہوں گی کیونکہ اس زمانہ کے عرب رواج کے مطابق لونڈیوں کو اپنے مالکوں کے کام کاج اور سودا سلف وغیرہ لانے کی مجبوریوں سے گھر سے باہر بھی جانا پڑتا تھا۔ ان کا پردہ نسبتاً نرم اور ہلکا ہوتا تھا جبکہ شریف خاندانوں اور بالخصوص ازواج النبیؐ کا پردہ معیاری و مثالی اور ایک عمدہ نمونہ تھا۔ جس میں چہرہ کے پردہ کا خاص اہتمام بھی شامل تھا۔ لونڈی کے پردہ کا شریف بیبیوں کے پردہ سے فرق کا اشارہ سورۃ احزاب کی مندرجہ بالا آیت ذَالِكَ أَدْنَىٰٓ اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب:60) میں بھی موجود ہے جس کی

تلاوت مَیں اوپر کر آیا ہوں یعنی مومن عورتیں چادر کے گھونگھٹ کا پردہ اختیار کریں جو اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور انہیں کوئی ایذا نہ دی جاسکے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ اسیرانِ جنگ میں سے تھیں، انہیں حرم میں شامل کرنے کے لئے کسی الگ اعلانِ نکاح کی ضرورت نہیں تھی جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں کہ

"اگر وہ (لونڈیوں) مکاتبت کا مطالبہ نہ کریں تو ان کو بغیر نکاح کے اپنی بیوی بنانا جائز ہے یعنی نکاح کے لئے ان کی لفظی اجازت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ قیاس آرائیاں کرنے لگے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو محض ایک لونڈی کے طور پر قبول فرمایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے پردہ کا خاص اہتمام نہیں کروائیں گے اور اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور اُمّ المؤمنین ہیں تو ان سے دیگر ازواج جیسا مثالی پردہ کروایا جائے گا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ازواج مطہرات جیسا ہی پردہ کروایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فعل اعلانِ نکاح و شادی سمجھا گیا اور صحابہؓ کی تشفّی ہو گئی۔"

(ماخوذ از ازواج النبیؐ، حضرت صفیہؓ، صفحہ 187)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر زخم کا ایک نشان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے آپ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند ٹوٹ کر میری گود میں آن گرا ہے جب میں نے یہ خواب اپنے خاوند کنانہ بن ابی الحقیق کو سنایا تو اُس نے بڑے زور سے مجھے ایک طمانچہ مارا اور کہا "کیا تم یثرب (مدینہ) کے بادشاہ سے شادی کرنا چاہتی ہو؟"

(مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 404 بیروت)

آپؓ نے جو خواب دیکھا تو اس کی تعبیریوں پوری ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہا پوری کائنات کے سردار کی زوجہ بن گئیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود آپؓ کے حسنِ اسلام کے زیور سے آراستہ ہونے کی تعریف فرماتے تھے۔ مدینہ پہنچ کر جب آنحضورؐ نے حضرت صفیہؓ کو حضرت حارث بن نعمان انصاریؓ کے مکان پر اتارا تو ان

کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر انصاری عورتیں اور دوسری ازواج مطہراتؓ انہیں دیکھنے آئیں۔ جب دیکھ کر جانے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ "اے عائشہ! تم نے اِن کو کیسا پایا۔" حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "یہودیہ ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ نہ کہو۔ وہ مسلمان ہو گئی ہے اور اس کا اسلام اچھا اور بہتر ہے۔"

(مطہر عائلی زندگی صفحہ 81)

حضرت صفیہؓ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور محبت سے جو انقلاب پیدا ہوا اس کا ذکر وہ خود کیا کرتی تھیں کہ

"شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر میرے لیے کوئی قابلِ نفرین وجود نہیں تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی ملاقات میں ہی اتنی محبت اور شفقت کا سلوک میرے ساتھ روا رکھا اور اس قدر اصرار کے ساتھ مجھ سے اظہارِ عذر فرماتے رہے کہ اے صفیہ! تیرا باپ وہ تھا جو تمام عرب کو میرے خلاف کھینچ کر لایا اور اس نے یہ یہ کیا اور بالآخر ہمیں اپنا دفاع کرنے پر مجبور کر دیا اور ہم نے خیبر آ کر اُس کی اِن سازشوں کے مقابل پر جوابی کارروائی کی۔ آنحضورؐ نے اس کثرت سے اور اتنی محبت اور شفقت کے ساتھ اس بات کا اعادہ کیا کہ میرا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا۔ آپؐ کے ساتھ پہلی مجلس سے ہی جب میں اُٹھی ہوں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھے کوئی اور محبوب نہ تھا ۔ آپؐ ہی مجھے سب سے پیارے اور سب سے زیادہ عزیز تھے۔"

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے نظیر حسنِ سلوک اور حضرت صفیہؓ سے آپؐ کی دلداری کے متعلق فرماتے ہیں "حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو سلوک تھا اور آپؐ کے اندر جو بے پناہ قوتِ جاذبہ پائی جاتی تھی اس کے نتیجہ میں ایک ہی رات میں حضرت صفیہؓ کی کایا پلٹ گئی اور حضرت رسول کریمؐ کی ذات سے اتنا گہرا عشق ہو گیا کہ پھر کسی پرانے رشتہ دار کا خیال آپؓ کے دل میں نہ آیا۔"

(خطاب جلسہ سالانہ مستورات 27 دسمبر 1983ء)

سامعین! حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اپنی ایک بیوی کے ساتھ جن کا نام صفیہ تھا شام کے وقت گزر رہے تھے کہ دو آدمی سامنے سے آرہے ہیں اور آپ کو کسی وجہ سے شبہ ہوا کہ ان کے دل میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ میرے ساتھ کوئی اور عورت ہے ان کی بیوی کا چہرہ ننگا کر دیا کہ دیکھ لو یہ صفیہ ہے۔ اگر منہ کھلا رکھنے کا حکم ہوتا تو اس قسم کا خطرہ کا کوئی احتمال نہیں ہو سکتا تھا۔

(بحوالہ اوڑھنی والیوں کے لئے پھول جلد اول صفحہ 202)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بخاری کی ایک اور حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ عسفان سے واپسی کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹنی پر حضرت صفیہؓ بیٹھی ہوئی تھیں۔ اونٹنی کے ٹھوکر کھانے کی وجہ سے دونوں گر پڑے اور ابو طلحہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دینے کے لئے لپکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا خیال کرو۔ یعنی مجھے چھوڑو۔ میرا احترام اور عزت اپنی جگہ مگر جہاں حادثے ہوں وہاں سب سے پہلے عورت کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں صنفِ نازک کا کتنا خیال تھا۔ سب سے دنیا کی مقدس سب سے معزز ہستی خود وہ تھے اور تبھی خیال گزرتا ہے کہ اگر بچانا ہے تو سب سے پہلے آپؐ کو بچایا جائے لیکن وہ جو بے اختیار بچانے کے لئے آپؐ کی طرف دوڑا ہے اس کو کہا عورت کا خیال کرو عورت کا خیال کرو اور حضرت ابو طلحہؓ نے خیال کیسے رکھا؟ احادیث میں یہ آتا ہے کہ آپؓ نے اپنے چہرے پر پردہ ڈالا اور حضرت صفیہؓ پر چادر پھینکی اور جب ان کا جسم سنبھل گیا اور پردے میں آگیا تب ان کی مدد کی کہ وہ اٹھیں اور محفوظ جگہ پر پہنچیں۔"

(مستورات سے خطابات، خطاب 8 ستمبر 1995ء، صفحہ 438-439)

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے کہ اونٹ کا پاؤں پھسلا اور آپ دونوں گر پڑے۔ حضرت ابو طلحہؓ فوراً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے آپؐ نے فرمایا: عَلَيْكَ بِالْمَرْاَةِ کہ پہلے عورت کا خیال کرو۔

اسی طرح جب جنگ خیبر سے واپسی کا وقت آیا تو صحابہؓ نے یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر حضرت صفیہؓ کے لئے خود جگہ بنا رہے ہیں۔ وہ عبا جو آپؐ نے زیب تن کر رکھی تھی اُتاری اور اُسے تہہ کر کے اونٹ کی کوہان پر حضرت صفیہؓ کے بیٹھنے کی جگہ پر بچھا دی۔ پھر ان کو سوار کراتے وقت اپنا گھٹنا ان کے آگے جھکا دیا اور فرمایا، اس پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر حدیث نمبر 4211)

اسی طرح آپؓ بیان فرماتی ہیں کہ خیبر سے ہم رات کے وقت چلے تو آپؐ نے مجھے اپنی سواری کے پیچھے بٹھا لیا۔ مجھے اونگھ آگئی اور سر پالان کی لکڑی سے جا ٹکرایا۔ حضورؐ نے بڑے پیار سے اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھ دیا اور فرمانے لگے: اے لڑکی! اے حیی کی بیٹی! ذرا احتیاط کرو اور ذرا اپنا خیال رکھو۔

(مجمع الزوائد جلد 8 صفحہ 574 بیروت)

ان احادیث سے ہمیں پردے کی اہمیت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواتین سے حسن سلوک کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔

تمام ازواج مطہراتؓ کو آنحضورؐ مثالی محبت تھی ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو حضرت صفیہؓ انتہائی حسرت کے ساتھ بولیں کہ "کاش! آپؐ کی بجائے میں بیمار ہوتی" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں نے اس اظہار محبت پر جب تعجب کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"دکھاوا نہیں ہے بلکہ سچ کہہ رہی ہیں"۔ اللہ تعالیٰ کے اس پیارے نبی شہنشاہ دوجہاں تاج مرسلین کے گھر کا نمونہ ہماری خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ کس قدر سادہ ہے۔ تکلف و تصنع نام کی کوئی چیز نہیں۔ نہایت صبر و شکر کے ساتھ آپ تمام ازواج مطہرات نے محض اور محض اللہ تعالی کی خوشنودی کی خاطر ان کی اتباع اور پیروی میں زندگی گزاری۔

(بحوالہ کتاب 'لباس' از حنیف احمد محمود صفحہ 69 سن اشاعت 2003ء)

سامعین! حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں بہت سے محاسنِ اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ میں ہے: كَانَتْ عَاقِلَةٌ مِنْ عُقَلَاءِ النِّسَاءِ۔ ترجمہ: وہ نہایت عاقلہ تھیں۔ زرقانی میں ہے: كَانَتْ صَفِيَّةٌ عَاقِلَةٌ حَلِيْمَةٌ فَاضِلَةٌ۔ یعنی صفیہ رضی اللہ عنہا عاقل، فاضل اور حلیم تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں حضرت صفیہ رضی

اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ امّ المؤمنین میں ابھی تک یہودیت کے کچھ اثرات باقی ہیں۔ کیونکہ وہ اب بھی ہفتہ کے دن کو اچھا سمجھتی ہیں جیسا کہ یہودی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں اور یہودیوں سے دلی لگاؤ بھی رکھتی ہیں۔ چونکہ بات آپ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کہہ رہی تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے خود امّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس چل کر آئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہانے فرمایا: ”جب سے اللہ نے مجھے ہفتہ کے دن کے بدلے جمعہ کا دن عنایت فرمایاتو ہفتہ کے دن کی محبت میرے دل سے نکل گئی ہے باقی چونکہ یہودی میرے قریبی رشتہ دار ہیں تو مجھے صلہ رحمی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہا کے جواب سے مطمئن ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہا کی حق گوئی کو سراہا۔ اس کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہانے اس لونڈی کو بلا کر پوچھا: ”تونے امیر المؤمنین کے پاس جاکر میری بے جا شکایت کیوں کی؟ کس چیز نے تجھے اس الزام تراشی پر آمادہ کیا؟“ لونڈی نے کہا: ”مجھے شیطان نے بہکادیا تھا“ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہانے اس کے شیطانی وسوسے والے عذر کو قبول فرماتے ہوئے کہا: ”جا! میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا۔“

(الصابۃ جلد7 صفحہ 741)

یہ آپؓ کا حلم تھا کہ ایک لونڈی جس نے آپؓ کی شکایت کی تھی آپؓ نے اس کو معاف کر کے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا نمونہ پیش کیا۔

اسی طرح خلافت عثمانی کا زمانہ جہاں مسلمانوں کے لیے باعثِ رحمت تھا وہاں پر باعثِ آزمائش بھی تھا۔ مدینہ طیبہ کے اندر فسادی بلوائیوں نے 35 ہجری میں حضرت عثمان ذوالنّورین رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا تو ان کو بہت سخت رنج ہوا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہانے ایک غلام کو ساتھ لیا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کی طرف روانہ ہوئیں۔ اشتر نخعی نے ان کے غلام کو دیکھ کر پہچان لیا اور آگے بڑھ کر خچر کو مارنا شروع کر دیا چونکہ حالات بگڑے ہوئے تھے اور اشتر نخعی کے

مقابلے میں مزید پیش قدمی ممکن نہیں تھی، اس لئے آپ رضی اللہ عنہا نے حالات کے پیش نظر واپسی کا فیصلہ فرمایا اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا بھیجا۔

(طبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 127)

سامعین کرام! اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی لیکن بعض اوقات تربیت کی خاطر آنحضورؐ انہیں بھی تنبیہ فرمانا ضروری سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو اپنی چھوٹی انگلی دکھا کر اُن کے پست قد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چھوٹے قد کا طعنہ دیا۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے بہت سرزنش کی اور فرمایا

”یہ ایسا سخت کلمہ تم نے کہا ہے کہ تلخ سمندر کے پانی میں بھی اس کو ملا دیا جائے تو وہ اور کڑوا اور کسیلا ہو جائے گا۔“

(ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

حضرت صفیہؓ نے جتنی زندگی بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری ہمیشہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا بہت خیال رکھا۔ آنحضورؐ جب اعتکاف بیٹھتے تو آپؓ اپنے ہاتھوں سے کھانا تیار کرتی تھیں اور حضورؐ کو دینے جاتیں۔ آپؓ کھانا بہت اچھا بناتی تھیں اور اس کا اعتراف حضرت عائشہؓ بھی کیا کرتی تھیں کہ

”میں نے کوئی عورت صفیہ سے اچھا کھانا پکانے والی نہیں دیکھی۔“

(مطہر عائلی زندگی صفحہ 85)

حضرت عائشہؓ ہی بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے میری باری میں کچھ کھانا بنا کر بھیج دیا۔ مجھے غیرت آگئی اور مَیں نے کھانے کا برتن زمین پر پٹخ کر توڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا لانے والے لڑکے انس سے صرف اتنا فرمایا کہ تمہاری ماں کو غیرت آگئی ہے اور پھر اُس ٹوٹے پیالے کے ٹکڑے خود اکٹھے کرنے لگے بعد میں خود ندامت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مَیں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میری اس غلطی کا کفارہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا برتن کے بدلے برتن اور کھانے کے بدلے کھانا۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الغیرۃ)

سامعین! حضرت صفیہؓ سردار کی بیٹی تھیں اور نازو نعم والے ماحول کی عادی تھیں۔ اس کے برعکس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن انتہائی سادہ تھا۔ لیکن یہ آپؓ کی طبیعت کا حسن تھا کہ آپ نے آنحضرتؐ کے ساتھ ایسی ہی طرز زندگی اپنائی جو قرآن کریم کے احکام اور آنحضورؐ کی توقعات کے عین مطابق تھی۔ ایک وقت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک (زوجہ مطہرہ) کے پاس صرف ایک (جوڑا) کپڑے کے علاوہ اور کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ ازواج مطہراتؓ دنیوی زخارف اور نعماء کی طرف توجہ نہیں دیتی تھیں۔ ان کو ہر بات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی مد نظر ہوتی تھی۔

حضرت صفیہؓ چونکہ سردار کی بیٹی تھیں اس لئے طبیعت میں فیاضی تھی۔ امّ المؤمنین بن کر مدینہ تشریف لائیں تو آپؓ کے کانوں میں سونے کے کچھ زیورات تھے۔ آپؓ نے اس میں سے کچھ حضرت فاطمہؓ کو دے دیئے اور کچھ دوسری عورتوں میں تقسیم کر دیئے۔ آپؓ علمی خصوصیات کا بھی مخزن تھیں۔ لوگ آپؓ سے مسائل پوچھتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سختی سے پابندی کرتیں۔ نہایت قانع، فیاض اور عبادت گزار تھیں۔ یتامیٰ کی کفالت کرتی تھیں۔ زہد و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کی۔

سامعین! حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیش قیمت صحبت میں تین سال کا عرصہ گزارا۔ آپؓ کی وفات رمضان 50 ہجری میں حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ آپؓ کی تدفین بھی جنت البقیع میں ہی ہوئی۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿15﴾ ﴿مشاہدات۔477﴾

اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:24)

ترجمہ: نیز یہ بھی (تم پر حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو (اپنے نکاح میں) اکٹھا کرو سوائے اس کے جو پہلے گزر چکا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

مرد و زن دونوں ہوں ہم خیال و ہمرکاب
ازدواجی زندگی ہے کامگار و کامیاب

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان سیرت اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریک حیات تھیں۔ آپؓ کی والدہ رومی تھیں۔ آپؓ مصر کے حفن نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں۔

امّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ کی ازدواجی حیثیت کے متعلق بعض غیر محتاط مسلم مؤرخین نے نادانستہ اور غیر مسلم مؤرخین نے دانستہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ آپ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی اور کنیز تھیں اور آپؓ کی حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات سے کم تر تھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کی حیثیت ایک کنیز کی ہرگز نہ تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ سے باقاعدہ نکاح فرما کر آپؓ کو ازواج مطہرات میں شامل فرمایا تھا۔

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے اپنی کتاب فصل الخطاب میں بھی عیسائی پادریوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے عام روایات کے مطابق حضرت ماریہؓ

کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُریہ بی بی اور امّ الولد (یعنی آپؐ کے صاحبزادہ کی ماں بننے کے نتیجے میں آزاد ہونے والی) بیان فرمایا ہے۔

سورۂ احزاب کی آیت 53 کی وضاحت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بھی ماریہ کو لونڈی قرار دیا ہے جسے آپؐ نے نکاح میں لے لیا تھا۔ لونڈی سے نکاح کے ثبوت کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا بیان فرمودہ یہ اصول بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ

”اگر وہ (لونڈیاں) مکاتبت کا مطالبہ نہ کریں تو ان کو بغیر نکاح کے اپنی بیوی بنانا ناجائز ہے یعنی نکاح کے لیے ان کی لفظی اجازت کی ضرورت نہیں۔“

آپؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ماریہؓ کو مقوقس مصر نے اپنے ملک کے رواج کے مطابق لونڈی کے طور پر تحفۃً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ پس وہ اس آیت کے حکم سے باہر ہیں اور ان سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ثابت ہے۔ سورۃ اُحزاب کی آیات 51 اور 53 دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لونڈی کی جو اجازت ہے اس کے بارے میں حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ کی رائے ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ممکن ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت کو سورۃ الانفال کے اس حکم سے مشروط سمجھا ہو کہ ”کسی نبی کے لیے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کئے بغیر قیدی بنائے“ (الانفال:68)۔ اس حکمِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے آپؐ نے کبھی کوئی غلام یا لونڈی نہیں رکھی اور اخلاق فاضلہ کا وہ بہترین نمونہ دکھایا جسے ہمیشہ کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ اس لحاظ سے بھی اوّل الذکر رائے کہ حضرت ماریہؓ کی حیثیت لونڈی کی تھی قابل غور ہے۔ اس کے مقابل پر اس رائے میں وزن معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی ماریہؓ کو روز اوّل سے اپنے حرم میں شامل کر کے ازواج مطہرات جیسا سلوک کیا، ان سے پردہ کروایا اور الگ رہائش کا انتظام کیا۔ اس رشتہ کے نتیجہ میں مصر اور اسکندریہ کے بادشاہ سے تعلقات پیدا ہوئے۔

(اہل بیت رسولؐ صفحہ 215-216)

سامعین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ 6 ہجری میں جب شاہان عرب و عجم کو اسلام کی دعوت دی تو قبطی قوم کے عظیم راہنما مقوقس والی مصر کو بھی ایک خط لکھا۔ مقوقس نے خط کی مہر اور دستخط

دیکھے اور اسے پڑھا۔ اس کے بعد اس خط کو ہاتھی کے دانت کے بنے ایک برتن میں رکھوایا اور حاطب بن ابی بلتعہ سے کہا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وصفات کے بارے میں کچھ بتائیں۔ مقوقس نے تھوڑا غور کرنے کے بعد کہا:

”میں سوچتا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام سے ظہور کریں گے، کیونکہ وہ پیغمبروں کے ظہور کرنے کی جگہ ہے۔ اب معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے جزیرۃ العرب سے ظہور کیا ہے۔ تم ایک دانا انسان ہو، جو ایک دانا شخص کے سفیر بن کر آئے ہو مَیں نے اُن کی تعلیم میں اعتدال پایا ہے وہ جادوگر یا کاہن نہیں لگتے۔ مَیں اس پر مزید غور کروں گا۔“

اس کے بعد اُس نے کاتب سے کہا کہ یوں لکھے:

”میں نے آپ کے خط کو پڑھا، جو کچھ اس میں لکھا تھا، اس سے آگاہ ہوا اور آپ کی دعوت سے بھی مطلع ہوا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ پیغمبرِ آخر الزمان شام سے ظہور کریں گے۔ میں آپ کے قاصد کا احترام کرتا ہوں اور اس کے ہمراہ قبط (مصر) کی عظیم سرزمین سے لباس ومرکب (سواری) کے ساتھ دو کنیزیں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطی قوم میں بڑا درجہ حاصل ہے۔“

(ابن سعد جلد 1 صفحہ 260)

مقوقس نے خط کو حاطب کے حوالہ کیا اور معافی مانگی اور ان کے ہمراہ ماریہ و سیرین نامی دو معزز لڑکیاں، ایک غلام اور ان کے ساتھ ہزار مثقال سونا، بیس جوڑے مصری لباس، ایک خاکستری رنگ کے خچر کے علاوہ شہد، عود، مشک و عطر کی ایک مقدار بھیجی تھی۔ حضرت ماریہؓ اور اُن کی بہن سیرین مدینہ کی طرف جاتے ہوئے، اپنے وطن سے دوری کی وجہ سے غمگین تھیں اور اپنی سرزمین کی یاد میں آنسو بہاتی تھیں۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے غم واندوہ کا احساس کیا۔ اس لئے ان کے سامنے مکہ و حجاز کے بارے میں کچھ قصے اور داستانیں بیان کیں۔ اس کے بعد دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ ان دونوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور تعلیمات اور دین اسلام کی اچھائی کو پسند کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔

(ازواج مطہرات کا انسائیکلوپیڈیا)

مصر کے بادشاہ کا یہ بھی خیال تھا کہ آنے والے نبی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ دو بہنوں سے اکٹھے شادی نہیں کرے گا اسی لیے اُس نے دو بہنیں تحفے کے طور پر ساتھ بھیجیں تھیں اور اُس زمانہ میں اپنے خاندان کی دو معزز لڑکیاں رشتہ کی غرض سے بھیجنا آپس کے تعلقات کو مضبوط کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

سامعین! اُس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی حدیبیہ سے واپس لوٹے تھے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پیغمبر اسلام کے پاس حاضر ہوئے اور مقوقس کا خط اور تحفے پیش کئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس کا خط اور اس کے تحفے دیکھے اور چونکہ حضرت ماریہؓ کسی جنگ میں اسیر ہو کر نہیں آئی تھیں اس لئے ان کی آزاد حیثیت برقرار تھی اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ کو اپنے عقد زوجیت میں لے لیا اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور ادیب و شاعر تھے کے عقدِ زوجیت میں دے دیا۔ اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم جیسا کہ خاکسار نے ابتداء میں آیت تلاوت کی ہے کے مطابق مصر کے بادشاہ کی بیان کردہ نشانی کی بھی تصدیق فرمادی۔

سامعین! اکثر مؤرخین حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ لونڈی ہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں شامل نہیں ہوتیں لیکن اگر ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ دیکھیں تو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ غلاموں کی آزادی کی ہی تعلیم دی اور خود بھی اسی بات پر عمل کیا۔ روایات سے ثابت ہے کہ کوئی ایک غلام بھی آپؐ نے اپنے قبضہ میں رکھنا پسند نہیں فرمایا۔ صرف غزوہ حنین میں ایک دن میں ہی آپؐ نے چھ ہزار غلاموں کی آزادی کا حکم دیا۔ لیکن ذاتی طور پر جو غلام آپؐ نے آزاد کئے وہ ایک روایت کے مطابق 63 تھے۔ اپنی بیٹی فاطمہؓ کے سوال کرنے پر بھی انہیں غلام عطا نہیں کیا بلکہ تسبیحات اور ذکر الٰہی سے اللہ کی مدد چاہنے کی طرف توجہ دلائی۔ گویا آپؐ نے ہمیشہ غلام آزاد کیے اور بوقت وفات آپؐ نے کوئی ایک غلام یا لونڈی ترکہ میں نہیں چھوڑی۔ اس لحاظ سے حضرت ماریہؓ کو لونڈی بنا کر رکھنا آپؐ کے مزاج اور عادت کے خلاف تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد فرما کر اپنی ازواج میں شامل فرمایا۔ باقی ازواج کی طرح اُن سے بھی پردہ کروایا اور اُن کی تعلیم تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء میں

انہیں مسجد کے قریب حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں رکھا لیکن بعد میں مدینہ کے نواح میں ایک کھجور کے باغ میں ٹھہرایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں وہ باغ حضرت ماریہ قبطیہؓ کو عطا فرمادیا تھا۔

(طبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 212)

یہ جگہ آج بھی مشربہ اُم ابراہیم کے نام سے جانی جاتی ہے۔ چونکہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مقام ملا تھا، اس لئے وہ کافی خوش تھیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس خاتون سے کافی راضی تھے، کیونکہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے تمام کوششیں بروئے کار لاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستور کی مکمل طور پر اطاعت اور فرمانبرداری کرتی تھیں۔

سامعین! ذوالحجہ 8 ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ایک بیٹے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد زوجہ مطہرہ تھیں جن کے بطن سے نرینہ اولاد ہوئی۔ آپؓ اُمِ ابراہیم بھی کہلاتی تھیں۔ جب حضرت ماریہؓ حاملہ ہوئیں تو جبریلؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

”اے ابو ابراہیم! آپؐ پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ماریہ سے ایک لڑکا عطا کرنے والا ہے اور ارشاد ہے کہ آپ اس کا نام ابراہیم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ بیٹا مبارک کرے اور دنیا اور آخرت میں اسے آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنائے۔“

(تاریخ دمشق جلد 1 صفحہ 110)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم کی ولادت سے اگلے روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”آج رات مجھے اللہ تعالیٰ نے لڑکا دیا ہے جس کا نام مَیں نے اپنے باپ کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔“

(مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ الصبیان والعیال)

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

سامعین! حضرت ماریہؓ کی دایہ حضرت سلمیٰؓ تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر ابو رافعؓ کو یہ خوشخبری سنائی اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نومولود کی خوشخبری دی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوشخبری پر حضرت ابو رافعؓ کو ایک غلام انعام کے طور پر دیا۔ جب حضرت ابراہیمؓ سات دن کے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیقہ کے لئے ایک بھیڑ کو ذبح کیا اور نومولود کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر راہ خدا میں چاندی دی۔

(ابن عساکر جزء3 صفحہ 236)

انصار کی خواتین ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے میں رقابت کر رہی تھیں اور اس طرح وہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک تر ہونا چاہتی تھیں کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو عزیز رکھتے ہیں۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعی بننے کی سعادت بالآخر حضرت اُم بردہؓ خولہ بنت منذر بن زید کو حاصل ہوئی۔

(تاریخ دمشق جلد7 صفحہ 413)

کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابو سیفؓ کی بیوی حضرت اُم سیفؓ نے رضاعت کی سعادت حاصل کی۔ آنحضورؐ کو حضرت ابراہیمؓ سے بہت محبت تھی۔ آپؐ ان کو دیکھنے ان کے رضاعی والدین کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کبھی ابراہیمؓ کو آپؐ کے پاس بھی لایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؓ نے تقریباً 18 ماہ کی عمر پائی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْعَاشَ اِبْرَاھِیْمَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ایک صدیق نبی ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کو غسل دے کر کفن دیا جائے۔ اس کے بعد ان کے جنازہ کو اٹھا کر قبرستان بقیع میں لایا گیا اور اس جگہ پر سپرد خاک کیا گیا۔ حضرت ماریہؓ بھی اپنی اکلوتی اولاد کی وفات پر غمگین تھیں۔ آپؓ کی بہن سیرین روایت کرتی ہیں کہ جب ابراہیمؓ کے آخری لمحات تھے تو مَیں اور میری بہن ماریہ رونے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونچی آواز میں رونے سے منع فرما دیا۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد8 صفحہ 215)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہؓ اور اپنے بیٹے کے ننھیالی رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ اچھا تعلق رکھا۔ آپؐ نے اہلِ مصر کے بارہ میں مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ ”جب تم مصریوں پر غالب آؤ تو اُن سے حسنِ سلوک کرنا کیونکہ ان کے ساتھ ایک تو ”ذمہ“ کا تعلق ہے دوسرے ”رحم“ کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ بھی انہی میں سے تھیں۔“

(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 50)

سامعین! حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ماریہؓ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا وہ آپؓ کا خصوصی احترام کرتے اور آپؓ کیلئے باقاعدہ نفقہ کا انتظام فرماتے رہے جس طرح دیگر ازواج کے لئے فرماتے تھے۔ امّ ابراہیم حضرت ماریہؓ کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پانچ سال بعد محرّم 16ھ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے امّ المومنین حضرت ماریہؓ کے جنازہ میں شرکت کے لئے لوگوں کو خصوصیت سے اطلاع کروا کے اکٹھا کروایا اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ کی تدفین جنّت البقیع میں ہوئی۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡

﴿16﴾ ﴿مشاہدات۔455﴾

اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِىِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِىُّ اَنۡ يَّسۡتَنۡكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

(الاحزاب:51)

اور ہر مومن عورت اگر وہ اپنے آپ کو نبی کے حضور پیش کر دے بشر طیکہ نبی یہ پسند کرے کہ اس سے نکاح کرے۔(یہ) مومنوں سے الگ خالصۃً تیرے لئے ہے۔

تمہاری صبح حسین ہو رُخ سحر کی طرح
تمہاری رات منور ہو شب قمر کی طرح
کوئی بہشت کا پوچھے تو کہہ سکو ہنس کر
کہ وہ خوب جگہ ہے ہمارے گھر کی طرح

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سیرت اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی تعلق اور نسبت کی وجہ سے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی منفرد شان اور عظمت ہے جو انہیں دیگر تمام خواتین اسلام سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ بھی بدیہی حقیقت ہے کہ اِن پاکیزہ ہستیوں کے ذریعے سے ہی بہت سے اہم احکام امت مسلمہ تک پہنچے ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ازواج مطہرات میں مختلف حوالوں سے ایک منفرد شان تھی۔

حضرت میمونہؓ کی پیدائش 592ء میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے 18 سال قبل ہوئی۔ آپؓ کا تعلق قریش سے تھا۔ آپؓ کے والد کا نام حارث بن حزن اور والدہ کا نام ہند بنتِ عوف تھا۔ آپؓ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجہ مطہرہ تھیں۔ آپؓ کا پیدائشی نام بَرّہ تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ کر دیا۔ میمونہ کا مطلب ہوتا ہے باعث برکت۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی والدہ ہند بنت عوف کے متعلق قریش مکّہ میں یہ بات بجا طور پر زبانِ زدِ عام تھی کہ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر اور کوئی عورت ایسی قابل احترام نہیں کہ جس کے ایسے عظیم الشان داماد ہوں یعنی محمد رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبد اللہ بن کعب رضی اللہ عنہ۔ حضرت شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ۔ اس کے علاوہ ان کے نواسوں اور نواسیوں میں بھی کئی جلیل القدر صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے ساتھ ہوا۔ اس نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح ابو رُہم بن عبد العزیٰ سے ہوا۔ کچھ عرصہ ان کے ساتھ گزارا اور ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ سن 7ھ مطابق 628ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۃ القضا کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی اِس ہیبت کو دیکھ کر حیران ہوئیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے اِس موضوع کو اپنی بہن اُم الفضل لبابہ بنت حارث کے سامنے رکھا (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی بھی تھیں)۔ تو انہوں نے اپنے شوہر عباس بن مطلبؓ سے اِس رشتہ کے لیے درخواست کی۔ حضرت عباس بن مطلبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اِس بات کا اِظہار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کو اِس خواستگاری کے لیے بھیجا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انہیں نکاح کا پیغام پہنچا تو وہ اُس وقت اونٹ پر سوار تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح سن کر فرط جذبات میں پکار اٹھیں کہ یہ اونٹ اور جو کچھ اس اونٹ پر ہے وہ سب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت میمونہؓ نے اپنے آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کیا تھا جس کی اجازت قرآن کریم کی اس آیت میں ہے جو تقریر کے شروع میں تلاوت کی گئی تھی یعنی:۔ وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً

اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا (الاحزاب: 51) اگر کوئی عورت اپنا نفس نبیؐ کو ہبہ کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتی ہے بشرطیکہ نبی بھی اس سے نکاح کا خواہاں ہو۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی شادی کا اِختیار عباس بن عبد المطلب (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کر دیا جنہوں نے مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع مقامِ سَرف پر آپ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا تھا اور چار سو درہم حق مہر اور ایک روایت کے مطابق پانچ سو درہم حق مہر قرار دیا۔ یوں آپ ازواجِ مطہرات میں شامل ہوئیں۔

(سیرت النبویہ لابن ہشام، جلد 2، صفحہ 646)

آپؓ کی رخصتی اور ولیمہ حرم سے باہر مکہ سے دس میل کی مسافت پر "سَرف" مقام پر ہوا۔ دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ حدیبیہ کے مطابق عمرہ کے لئے مکہ میں صرف تین روز قیام کرنا تھا۔ عمرہ مکمل کرنے کے بعد آپؐ نے "سَرف" کے مقام پر احرام کھولا اور حضرت میمونہؓ سے آپؐ کا نکاح ہو گیا۔ مکّہ میں تیسرے دن مشرکین مکّہ کے وفد جس میں حُویطب بن عبد العزّیٰ اور سہیل وغیرہ شامل تھے، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تین دن پورے ہو گئے ہیں اس لئے آج آپ کو معاہدہ کے مطابق مکّے سے کوچ کرنا چاہئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے میمونہ سے شادی کی ہے اگر آپ لوگ پسند کرو اور ایک دن مزید رُکنے کی اجازت دے دو تو میں آپ سب کو دعوت ولیمہ میں شامل کروں گا۔ انہوں نے کہا ہمیں آپ کی دعوت کی کوئی ضرورت نہیں ہے بس آپ وعدہ کے مطابق مکہ خالی کر دیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر تشریف لے گئے اور "سرف" مقام پر جاکر حضرت میمونہؓ کے ساتھ آپؐ نے قیام فرمایا جہاں یہ شادی اور تقریب ولیمہ ہوئی۔

(مستدرک حاکم جلد 4 صفحہ 33 بیروت)

سامعین! عمرۃ القضاء کی ادائیگی نے مسلمانوں کی شان و شوکت اور دین اسلام پر جانثاری نے اہل مکہ پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے، کفار و مشرکین مکہ کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ صرف چند بدگمانیاں باقی تھیں، انہیں یہ صاف نظر آرہا تھا کہ اگر اہل مکہ کے ساتھ مسلمانوں کا مزید کچھ میل جول اور رہا تو سارے مکہ والے اسلام قبول کر لیں گے غالباً یہی وجہ تھی کہ صلح حدیبیہ میں کفار کی طرف سے یہ شرط بطور خاص تھی کہ آئندہ

سال مسلمان تین دن کے اندر اندر عمرہ کر کے واپس چلے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہی تھی کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں اور اس مبارک خواہش کی تکمیل کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح کی صعوبتیں جھیلیں، سختیاں برداشت کیں، ظلم و ناانصافی کو سہتے رہے۔

اس لیے بیوہ و بے آسرا ایک خاتون کو سہارا دینے کے ساتھ ساتھ آپ کے پیش نظر اس وقت کے معروضی حالات بھی تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ اس نکاح سے فوائد و ثمرات میں اہل مکہ کے بااثر شخصیات کے علاوہ اہل نجد کے لوگ بھی اسلام کے قریب آجائیں گے، اسلامی اخلاق و تعلیمات کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو جو بدگمانیاں اذہان و قلوب میں گردش کر رہی ہیں وہ ختم ہو جائیں گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خاندان والے مکہ کے بااثر لوگوں میں سے تھے۔ اس نکاح کے بعد سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اسی موقع حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کنجی بردار کعبہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

دوسری طرف اہل نجد کا سردار زیاد بن مالک الہلالی جو کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا بہنوئی تھا جب اہل نجد کو اپنے قبیلے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح کی قرابت داری کا علم ہوا تو وہی لوگ جنہوں نے کبھی دھوکے کے ساتھ 70 مبلغین اسلام کو شہید کرنے کا سنگین جرم کیا تھا اب وہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی بن گئے اور مسلمان ہو کر اہل اسلام کی اجتماعی قوت میں اضافہ کا سبب بنے۔ اس نکاح کی یہ وہ بنیادی حکمتیں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھیں۔

حضرت میمونہؓ ایک پاکیزہ سیرت اور صاحب تقوی خاتون تھیں، شریعت کی پاسداری اور احکام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل نمایاں وصف تھے۔

سامعین! دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زائد شادیوں کا بنیادی مقصد بھی یہ تھا کہ ازواج مطہرات آپ سے دینی باتیں سیکھ کر آگے مسلمان خواتین کو سکھائیں اور ان کی تربیت کے سامان کریں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے 46 حدیثیں مروی ہیں، جن میں بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پراگندہ ہوئے تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا اُمِّ عمار میرے کنگھا کرتی ہیں (اور آج کل ان کے ماہانہ ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت ناپاکی میں ہوتے تھے۔ اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے، بیٹا! کہیں یہ ناپاکی ہاتھ میں بھی ہوتی ہے؟

(مسند:16/331)

حضرت میمونہؓ کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کا مکمل طریق بھی بیان ہوا ہے۔

ایک اور واقعہ حضرت میمونہؓ یہ بیان فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ حضورؐ بیدار ہوئے تو آپؐ کی طبیعت کچھ مکدّر تھی تو میں نے پوچھا یارسول اللہؐ! کیا ہوا؟ آپؐ نے فرمایا کہ آج رات جبرئیلؑ نے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ آئے نہیں اور آج تک انہوں نے کبھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی اس لئے میں پریشان ہوں۔ آپؓ بیان فرماتی تھیں کہ گھر میں ایک چھوٹا سا پلہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کہیں اس کی موجودگی کے باعث ایسا نہ ہوا ہو پھر اس کو آپ نے گھر سے باہر کر دیا اور پانی سے اس جگہ کو دھو کر صاف کر دیا، اگلے دن جبرئیلؑ آئے تو حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ کل آپ کیوں نہیں آئے۔ جبریلؑ نے کہا کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا مورتیاں وغیرہ ہوں۔

(مسلم کتاب اللباس باب تدخل الملائکۃ بیتا)

آپ رضی اللہ عنہا اتنے بڑے اعزاز سے عزت پانے کے باوجود اپنے گھریلو کام کاج خود کرتیں، چنانچہ آپ کے بھانجے یزید بن الاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج خود کرتیں، کثرت سے مسواک کرتیں اور نمازوں کی ادائیگی کا خوب اہتمام کرتیں۔ آپ کے دل میں خدا کی محبت کوٹ کوٹ کے موجود تھی اور یہ خوف بھی تھا کہ کہیں میرے کسی کام سے اللہ ناراض نہ ہو جائے۔ معاشرتی رہن سہن میں اسلامی تعلیمات کی سب سے بنیادی چیز صلہ رحمی بھی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، تقویٰ اور صلہ رحمی یہ دو اوصاف حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کو یہ نعمتیں خوب عطا فرمائی تھیں، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ان دو عمدہ اوصاف کی گواہی دیتے ہوئے فرماتی ہیں:

”میمونہ ہم میں خدا خوفی اور صلہ رحمی میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔“

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کثرت سے غلام اور لونڈیاں آزاد کرتی تھیں۔ ایک بار آپ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی آزاد کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔

آپؓ بہت عبادت گزار تھیں۔ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا تھا کہ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کا بہت ثواب ہوتا ہے۔ آپؓ کوشش کرتیں کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھیں بلکہ آپ نے یہ بات دوسری خواتین کو بھی بتائی۔ مدینہ میں ایک دفعہ ایک عورت سخت بیمار ہوئی اس نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو میں بیت المقدس جا کر نماز پڑھوں گی۔ اللہ نے اُسے شفا دی اور اُس نے اپنی منت پوری کرنے کے لیے بیت المقدس جانے کا ارداہ کیا۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت میمونہؓ سے رخصت لینے آئی اور تمام ماجرہ بیان کیا۔ حضرت میمونہؓ نے اُسے سمجھایا کہ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ تم یہیں رہو اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو۔

(بحوالہ امہات المومنین حضرت میمونہ از امۃ الرشید ارسلہ صفحہ 9-11)

حضرت میمونہؓ کی ایک اور روایت سے بھی ان کے اس شوق کا اندازہ ہوتا ہے جو انہیں آنحضورؐ سے علم اور دین کی باتیں سیکھنے کا تھا اور پھر وہی باتیں آگے انہوں نے سکھائیں۔ ایک دفعہ آپؓ نے اپنے بھتیجے عبدالرحمٰن بن سائب کو بتایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیمار کے لئے ایک دم سیکھا تھا۔ وہ دعا تم بھی مجھ سے سیکھ لو اور وہ یہ دعا تھی:

بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ وَاللّٰہُ یَشْفِیْکَ مِنْ کُلِّ دَاءٍ فِیْکَ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ واشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَاشَافِیَ اِلَّا اَنْتَ یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں اور اللہ آپ کو شفاء دے گا ہر ایک بیماری سے جو تجھ میں پائی جاتی ہے۔ اے انسانوں کے رب! اس بیماری کو دور کر دے اور شفا عطا فرما کہ تو ہی حقیقی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا اور کوئی شفاء دینے والا نہیں۔

(مسند احمد جلد 6 صفحہ 332 قاہرہ)

سامعین کرام! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؓ 50 سال زندہ رہیں اور 80 سال عمر پا کر وفات پائی۔ مگر اس برکت والے تعلق کو ساری عمر نہ بھلا سکیں۔ وفات سے قبل آپؓ نے لوگوں سے درخواست کی کہ جب مَیں مر جاؤں تو مکہ کے باہر ایک منزل کے فاصلے پر اس جگہ جس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ تھا اور جس جگہ پہلی دفعہ آپؐ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی میری قبر بنائی جائے اور اس میں مجھے دفن کیا جائے۔

اس سلسلہ میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کی کئی بیویاں تھیں اور یہ کہ آپؐ کا یہ فعل نعوذ باللہ من ذالک عیاشی پر مبنی تھا۔ مگر جب ہم اس تعلق کو دیکھتے ہیں جو آپ کی بیویوں کو آپؐ کے ساتھ تھا تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ آپؐ کا تعلق ایسا پاکیزہ، ایسا بے لوث اور ایسا روحانی تھا کہ کسی ایک بیوی والے مرد کا تعلق بھی اپنی بیوی سے ایسا نہیں ہوتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اپنی بیویوں سے عیاشی کا ہوتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہئے تھا کہ آپؐ کی بیویوں کے دل کسی روحانی جذبہ سے متاثر نہ ہوتے۔ مگر آپؐ کی بیویوں کے دل میں آپؐ کی جو محبت تھی اور آپؐ سے جو نیک اثر انہوں نے لیا تھا وہ بہت سے ایسے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیویوں کے متعلق تاریخ سے ثابت ہیں۔ مثلاً یہی واقعہ کتنا چھوٹا سا تھا کہ میمونہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی دفعہ حرم سے باہر ایک خیمہ میں ملیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے تعلق کوئی جسمانی تعلق ہوتا اور اگر آپؐ بعض بیویوں کو بعض پر ترجیح دینے والے ہوتے تو میمونہؓ اس واقعہ کو اپنی زندگی کا کوئی اچھا واقعہ نہ سمجھتیں بلکہ کوشش کرتیں کہ یہ واقعہ ان کی یاد سے بھول جائے۔ لیکن میمونہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پچاس سال زندہ رہیں اور اسّی سال کی ہو کر فوت ہوئیں۔ مگر اس برکت والے تعلق کو وہ ساری عمر بھلا نہ سکیں۔ اَسّی سال کی عمر میں جب جوانی کے جذبات سب سرد ہو چکے ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پچاس سال بعد جو عرصہ ایک مستقل عمر کہلانے کا مستحق ہے میمونہؓ فوت ہوئیں۔ اور اس وقت انہوں نے اپنے گرد کے لوگوں سے درخواست کی کہ جب میں مر جاؤں تو مکّہ کے باہر ایک منزل کے فاصلہ پر اس جگہ جس جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ تھا اور جس جگہ پہلی دفعہ مجھے آپؐ کی

خدمت میں پیش کیا گیا تھا میری قبر بنائی جائے اور اُس میں مجھے دفن کیا جائے۔ دنیا میں سچے نوادر بھی ہوتے ہیں اور قصّے کہانیاں بھی۔ مگر سچّے نوادر میں سے بھی اور قصّے کہانیوں میں سے بھی کیا کوئی واقعہ اس گہری محبّت سے زیادہ پُر تاثیر پیش کیا جاسکتا ہے؟"

(نبیوں کا سردار از حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صفحہ 178)

آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہا نے پڑھائی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں اس لیے باادب طریقے سے آہستہ آہستہ لے کر چلو، زیادہ حرکت نہ دو۔

(ماخوذ مطہر عائلی زندگی صفحہ 88-89)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿17﴾ ﴿مشاہدات۔485﴾

اُمّ المومنین حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـئۡوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابۡتَغَیۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ

(الاحزاب:52)

ترجمہ: تُو اُن میں سے جنہیں چاہے چھوڑ دے اور جنہیں چاہے اپنے پاس رکھ اور جنہیں تُو چھوڑ چکا ہے ان میں سے کسی کو اگر پھر (لینا) چاہے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان سیرت اُمّ المومنین حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا ہے۔

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام زید بن عمرو بن خنافہ تھا۔ آپؓ کا تعلق مدینہ کے ایک یہودی قبیلہ بنو نضیر سے تھا۔ پہلے بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا، غزوۂ بنو قریظہ کے دوسرے دن یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا، اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آئے تھے ان ہی میں حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت ریحانہ بنت زید رضی اللہ عنہا سے متعلق دونوں روایتیں موجود ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بطورِ کنیز اپنے پاس رکھا تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا تھا۔ لیکن زیادہ تر احادیث اور مؤرخین سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہی تھیں کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ریحانہؓ کا حق مہر بارہ اوقیہ چاندی ادا فرمایا تھا۔ آپؓ کے لیے دوسری ازواج مطہرات کی طرح علیحدہ سے رہائش کا انتظام کیا گیا تھا اور آپؓ کی باری مقرر فرمائی اور دوسری ازواج کی

طرح باقاعدہ پردہ بھی کروایا تھا۔ روایات میں حضرت ریحانہؓ کی رخصتی کے بعد طلاق کا بھی ذکر ملتا ہے جو کہ ثابت کرتا ہے کہ آپؓ لونڈی نہیں تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ غلاموں اور کنیزوں کی آزادی کے حق میں تھے اس لیے آپؐ نے سورۃ الاحزاب کی آیت 52 کا فائدہ نہیں اٹھایا جس میں لونڈی رکھنے کی اجازت دی گئی تھی اور باقاعدہ حضرت ریحانہ کی اجازت سے اُن سے نکاح فرمایا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ

”اگر اس روایت کو تسلیم بھی کیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا تو تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے آزاد کر کے اُس کے ساتھ شادی فرمائی تھی اور اُسے لونڈی کے طور پر نہیں رکھا۔“

(سیرت خاتم النبیین صفحہ 605)

حضرت ریحانہ کی یہ شادی محرم 6 ہجری میں اُمّ المنذر بنت قیس کے گھر میں ہوئی۔

سامعین! حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے قبولِ اسلام اور نکاح کے بارے میں دو روایتیں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو اسلام قبول کر لو اور چاہو تو اپنے مذہب پر قائم رہو اور اگر اسلام قبول کر لو تو مَیں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا لیکن انہوں نے اپنے مذہب کو ترجیح دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رویہ سے بہت رنج ہوا۔ آپ نے ریحانہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ ایک دفعہ آپ صحابہ کرام کی جماعت کے درمیان رونق افروز تھے۔ ثعلبہ بن سعیہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے قبولِ اسلام کی خوشخبری سنائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور حضرت ریحانہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 131 بیروت)

دوسری روایت کے مطابق حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں۔

(ابنِ سعد جلد 8 صفحہ 93)

خدائے تعالیٰ نے آپ کو حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں سے نوازا تھا۔

(اصابہ جلد 4 صفحہ 309)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔ آپؓ سلیقہ شعار اور خوب صورت خاتون تھیں اور اس کے ساتھ قبولِ اسلام کے بعد آپؓ نے خود کو اسلام کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھال لیا تھا لیکن حضرت ریحانہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتی تھیں اس لئے دوسری ازواج مطہرات سے ناقابلِ حد تک غیرت رکھتی تھیں جس کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو طلاق دے دی تھی لیکن حضرت ریحانہؓ اس کو بھی برداشت نہ کر سکیں اور اس قدر روئیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طلاق واپس لینی پڑی۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 130)

اور آپؓ نے دوبارہ رجوع کر لیا جس کی اجازت سورۃ الاحزاب آیت 52 میں جو کہ خاکسار نے ابتداء میں تلاوت کی تھی دی گئی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے حضرت صفیہؓ کے علاوہ حضرت ریحانہؓ بھی یہودی خاندان میں سے تھیں۔ اُمّ المومنین حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کی وفات 10 ہجری میں ہوئی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تھے۔ آپؓ کا جنازہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھایا اور جنت البقیع میں آپؓ کی تدفین ہوئی۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 130)

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿18﴾ ﴿مشاہدات۔474﴾

سیرت و مناقب حضرت زینبؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ (الممتحنہ:11)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں مہاجر ہونے کی حالت میں آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔ اللہ ان کے ایمان کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ پس اگر تم اچھی طرح معلوم کرلو کہ وہ مومنات ہیں تو کفار کی طرف انہیں واپس نہ بھیجو۔ نہ یہ اُن کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ اِن کے لئے حلال۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سیرت و مناقب حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام سے قبل عرب کے معاشرے میں لڑکی کا پیدا ہونا ایک بہت ہی معیوب بات سمجھی جاتی تھی اور اکثر بچیوں کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور بیٹی کو ایک نعمت قرار دیا تو لوگ بہت حیران ہوئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی صاحبزادی تھی آپؓ کی پیدائش آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے 10 سال قبل ہوئی۔ اُس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک 30 سال تھی۔

(ابن ہشام جز 1 صفحہ 651)

چھوٹی عمر میں ہی حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے خالہ زاد حضرت ابو العاصؓ بن ربیع کے ساتھ ہو گیا جو حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوّت پر آپؓ فوراً ایمان لے آئیں۔ اُس وقت آپؓ کے شوہر حضرت ابو العاصؓ تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دوران سفر ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں خبریں سُن لی تھیں۔ مکہ واپسی پر جب حضرت زینبؓ نے کہا کہ مَیں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے، تو وہ شش و پنج میں پڑ گئے۔ انہوں نے کہا کہ اے زینبؓ! کیا تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر مَیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لایا تو پھر کیا ہو گا؟ حضرت زینبؓ نے جواب دیا، میں اپنے صادق اور امین باپ کو کیسے جھٹلا سکتی ہوں؟۔ خدا کی قسم! وہ سچے ہیں اور پھر میری ماں اور بہنیں اور حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت ابو بکرؓ اور تمہاری قوم میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور تمہارے ماموں زاد حضرت زبیر بن العوامؓ بھی ایمان لے آئے ہیں اور میرا خیال نہیں ہے کہ تم میرے باپ کو جھٹلاؤ گے اور ان کی نبوت پر ایمان نہیں لاؤ گے۔

(ازواج مطہرات وصحابیات صفحہ 244-245)

سامعین! بعثتِ نبوی کے بعد کفار مکہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوتِ حق پر لبیّک کہنے والوں پر بے پناہ ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیّہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا ابو لہب کے دو بیٹوں کے نکاح میں تھیں، تاہم رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ان دونوں نے اپنے باپ کے کہنے پر دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ ابو العاص کو بھی کفّار نے بہت اکسایا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نہایت اچھا سلوک کرتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص کے اس طرزِ عمل کی ہمیشہ تعریف کی۔ باوجود اتنی شرافت اور نیک نفسی کے ابو العاص نے اپنا آبائی مذہب ترک نہ کیا حتّٰی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد تمام قبائل عرب آپؐ کے دشمن بن چکے تھے۔ حضرت امّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس لانے کیلئے مدینہ سے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں چند افراد کو مکّہ بھجوایا جو حکمت عملی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں

صاحبزادیوں کو مدینہ لائے۔ لیکن حضرت زینبؓ ابھی اپنے خاوند کے پاس ہی تھیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مکہ میں ان کا مسلسل دشمنانِ اسلام کے نرغے میں رہنا اب خطرہ سے خالی بھی نہ رہا تھا۔ ان کے شوہر ابوالعاص ابھی اپنے دین پر تھے اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق انہوں نے ہجرت کی۔ یہ پہلی ہجرت کی کوشش تو کامیاب نہ ہو سکی مگر دوسری مرتبہ آپؓ مدینہ پہنچ گئیں۔

سامعین! اس پہلی ہجرت کا واقعہ حضرت عائشہؓ یوں بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ قبیلہ کنانہ کے بعض لوگوں کے ساتھ یا ایک اور روایت کے مطابق ابوالعاص کے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئیں۔ مگر یہ تدبیر کارگر نہ ہو سکی اور مخالفین کو پتہ چل گیا وہ تعاقب میں نکلے اور ہبار بن اسود حضرت زینبؓ کے قریب پہنچ کر تیر چلانے لگا۔ یہاں تک کے کہ حضرت زینبؓ کو اونٹ سے گرا دیا اور ان کا حمل ضائع ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہو گا۔ لوگ ایک طرف ہو گئے تو ابوسفیان سردارانِ قریش کے ساتھ آیا اور کہا کہ تیر روک لو ہم کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ کنانہ نے تیر ترکش میں ڈال لئے۔ ابوسفیان نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکِ وطن سے حالات جہاں تک جا پہنچے ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال کر لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے۔ بہتر ہو گا کہ ابھی ہمارے ساتھ واپس مکہ چلو پھر کسی وقت رات کو چھپ کر خاموشی سے نکل جانا۔ چنانچہ آپؓ مکّہ واپس تشریف لے آئیں اور پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ جانے تک ہجرت کا ارادہ موقوف کیا۔ اس واقعہ پر آپؓ کے میکے بنو ہاشم اور آپؓ کے سُسرال بنو امیہ جھگڑ پڑے۔ بنو امیہ نے کہا ہم اسکے زیادہ قریبی ہیں اس لئے حضرت زینبؓ کو مکہ میں ہی رہنا چاہئے۔ چنانچہ وہ اپنے شوہر کے گھر رہیں یہاں تک کہ غزوۂ بدر پیش آ گیا۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جنگ بدر کے بعد جب اہل مکّہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا تو حضرت زینبؓ نے (جو ابھی مکہ میں ہی تھیں) ابوالعاص کی آزادی کے لئے فدیہ کے مال میں حضرت خدیجہؓ کا وہ ہار بھی بھجوایا جو انہوں نے شادی کے وقت حضرت زینبؓ کو پہنا کر ابوالعاص کے گھر رخصت کیا تھا۔

حضورؐ نے وہ ہار دیکھا جو ایک ماں کی بیٹی کیلئے نشانی تھی اور جو ایک مجبور مومنہ کو حالتِ کسمپرسی میں بھجوانی پڑی تھی تو آپؐ پر سخت رقّت طاری ہو گئی۔ آپؐ نے حضرت زینبؓ کی ہجرت کو ہموار کرنے کی خاطر صحابہؓ سے ازراہِ مشورہ فرمایا اگر تم پسند کرو تو زینبؓ کے خاوند کو بغیر کچھ لئے چھوڑ دو اور اس کے فدیہ میں آیا ہوا مال واپس کر دو۔ صحابہؓ نے بخوشی ایسا کیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے بھی وعدہ لیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔

جنگ بدر کے ایک ماہ بعد حضرت ابو العاص مکہ واپس آئے۔ اس دوران حضرت زینبؓ، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کے گھر رہائش پذیر رہیں۔ ایک روز ابو سفیان کی بیوی ہند نے حضرت زینبؓ کو طعنہ دیا کہ یہ سب تکلیفیں تیرے باپ کی وجہ سے ہیں۔ حضورؐ کو جب اپنی بیٹی پر بیتے اس کرب ناک واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ سے فرمایا کہ کیا تم زینبؓ کو میرے پاس لاسکتے ہو؟ حضرت زیدؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! کیوں نہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری یہ انگوٹھی لے جاؤ اور زینبؓ کو دے دینا۔ حضرت زیدؓ کمال حکمت سے مکہ گئے اور شہر کے نواح میں پہنچ کر جائزہ لینے لگے۔ اس دوران حضرت زیدؓ ایک چرواہے سے ملے اور اس سے پوچھا کہ تم کس کے ملازم ہو؟ اس نے بتایا کہ میں ابو العاص کا ملازم ہوں۔ پھر حضرت زیدؓ نے پوچھا یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے کہا زینبؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اس پر حضرت زیدؓ نے نبی کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس چرواہے کے ذریعہ حضرت زینبؓ کو بھجوائی۔ انگوٹھی دیکھ کر وہ سمجھ گئیں۔

اگلی رات ابو العاص، حضرت زینبؓ کو لے کر نکلے اور یاجج مقام پر انہیں حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ مدینہ روانہ کر کے واپس مکّہ آگئے۔ اس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے عہد کی پابندی کرتے ہوئے حضرت زینبؓ کو خاموش حکمت عملی سے مدینہ بھجوانے کا انتظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کر دیا اور حضرت زینبؓ اپنے مقدس والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچ گئیں۔

(اہل بیتِ رسولؐ، اولاد النبیؐ صفحہ 256-258)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے "هِيَ اَفْضَلُ بَنَاتِيْ اُصِيْبَتْ فِيَّ" یعنی یہ میری بیٹیوں میں سب سے افضل ہے کیونکہ اس کو میری وجہ سے بہت تکالیف پہنچی ہیں۔

(تاریخ الصغیر لامام بخاری جلد 1 صفحہ 34)

سامعین! 6 ہجری میں ابوالعاص بن الربیع قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو 170 سواروں کے ساتھ بھیجا، مقامِ عیص میں قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال و اسباب بھی حصے میں آیا اُنہی میں ابوالعاص بھی تھے۔

سیرت خاتم النبیینؐ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کو یوں لکھا ہے کہ

"ان قیدیوں میں جو سریہ بطرف عِیص میں پکڑے گئے ابوالعاص بن الربیع بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور حضرت خدیجہؓ مرحومہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے۔ اس سے قبل وہ جنگِ بدر میں بھی قید ہو کر آئے تھے مگر اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ مکہ پہنچ کر آپؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مدینہ بھجوا دیں۔ ابوالعاص نے اس وعدہ کو تو پورا کر دیا تھا مگر وہ خود ابھی تک شرک پر قائم تھے۔ جب زید بن حارثہ انہیں قید کر کے مدینہ میں لائے تو رات کا وقت تھا مگر کسی طرح ابوالعاص نے حضرت زینبؓ کو اطلاع بھجوا دی کہ میں اس طرح قید ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں۔ تم اگر میرے لئے کچھ کر سکتی ہو تو کرو۔ چنانچہ عین اس وقت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ صبح کی نماز میں مصروف تھے۔ حضرت زینبؓ نے گھر کے اندر سے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ "اے مسلمانو! مَیں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ "جو کچھ زینب نے کہا ہے وہ آپ لوگوں نے سن لیا ہو گا۔ واللہ! مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ یہ بات میرے علم میں نہیں تھی مگر مومنوں کی جماعت ایک جان کا حکم رکھتی ہے اگر ان میں سے کوئی کسی کافر کو پناہ دے تو اس کا احترام لازم ہے۔" پھر آپؐ نے حضرت زینبؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ "جسے تم نے پناہ دی ہے اسے ہم بھی پناہ دیتے ہیں" اور جو مال اس مہم میں ابوالعاص سے حاصل ہوا تھا وہ اسے لوٹا دیا۔ پھر آپؐ گھر میں تشریف لائے اور اپنی صاحبزادی زینبؓ سے فرمایا

”ابو العاص کی اچھی طرح خاطر تواضع کرو۔ مگر اس کے ساتھ خلوت میں مت ملو کیونکہ موجودہ حالت میں تمہارا اس کے ساتھ ملنا جائز نہیں ہے۔“ چند روز مدینہ میں قیام کرکے ابو العاص مکہ کی طرف واپس چلے گئے مگر اب ان کا مکہ میں جانا وہاں ٹھہرنے کی غرض سے نہیں تھا کیونکہ انہوں نے بہت جلد اپنے لین دین سے فراغت حاصل کی اور کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ جس پر آپؐ نے حضرت زینبؓ کو ان کی طرف بغیر کسی جدید نکاح کے لوٹا دیا... بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اس وقت حضرت زینبؓ اور ابو العاص کا دوبارہ نکاح پڑھا گیا تھا مگر پہلی روایت زیادہ مضبوط اور صحیح ہے۔“

(سیرت خاتم النبیین صفحہ 670)

سامعین! یہاں دو باتوں کی وضاحت ہو جاتی ہے ایک یہ کہ جیسا کہ خاکسار نے ابتداء میں آیات تلاوت کیں ہیں کہ ایک مومنہ کسی غیر مومن کے لیے حلال نہیں اور دوسرا یہ کہ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خطبہ جمعہ فرمودہ 20 اکتوبر 2023ء میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اس سے یہ فتویٰ بھی مل گیا کہ **اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے کفر کی وجہ سے علیحدہ ہوتی ہے تو پھر خاوند کے ایمان لانے پر دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔“**

حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنی بیٹی زینبؓ کو ان کی ہجرت کے چھ سال بعد ابو العاصؓ کے مسلمان ہونے پر ان کے ساتھ پہلے نکاح پر ہی لوٹا دیا کسی نئے نکاح کی ضرورت نہیں ہوئی۔

(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 658)

حضرت مِسورؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنے داماد ابو العاص کا ذکر کیا اور یہ رشتہ نبھانے میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اس نے مجھ سے جو کہا سچ کہا اور جو وعدہ کیا اسے خوب نبھایا“ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ کسی نکاح کے ذریعہ نئے مہر وغیرہ کی شرائط کی ضرورت نہیں سمجھی۔

(بخاری کتاب النکاح باب شروط النکاح)

حضرت زینبؓ کے بطن سے ایک لڑکا علیؓ اور ایک لڑکی امامہؓ پیدا ہوئے۔ علیؓ تو بچپن میں فوت ہو گئے مگر امامہؓ بڑی ہوئیں اور حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے اُن کی شادی ہوئی۔ حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہ کو اٹھایا ہوا تھا۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو اسے نیچے بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے۔

(بخاری کتاب الصلاۃ)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجاشی کی طرف سے کچھ زیورات بطور تحفہ آئے۔ اس میں ایک انگوٹھی بھی تھی۔ جس کا نگینہ ملک حبشہ کا تھا۔ آپؐ نے عدم دلچسپی ظاہر فرماتے ہوئے اسے لکڑی یا انگلی سے پرے کر دیا۔ پھر امامہؓ کو بلایا اور فرمایا۔ بیٹی! اسے تم پہن لو۔ یہی امامہؓ بعد میں پہلے حضرت علیؓ کے عقد میں اور انکی وفات کے بعد حضرت مغیرہؓ کے نکاح میں آئیں۔

(ابوداؤد کتاب الخاتم باب ماجاء فی الذہب للنساء)

حضرت زینبؓ اپنے خاوند کے اسلام قبول کرنے کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہیں۔ حضرت زینبؓ نے آخر دم تک اسلام کی خاطر تکالیف برداشت کیں۔ وفات کے وقت وہی زخم تازہ ہو گئے تھے جو واقعہ ہجرت میں انہیں پہنچے تھے۔ آپ کی وفات بھی راہ مولیٰ میں تکالیف کی وجہ سے ہوئی۔ رسول اللہؐ نے انہیں شہیدہ کا لقب عطا فرمایا۔

(ماخوذ از سیرت حضرت زینب بنت محمدؐ)

آٹھ ہجری میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام عطیہؓ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق غسل دیا۔

(سیر الصحابہ جلد 6 صفحہ 90، دارالاشاعت کراچی 2004ء)

حضرت زینبؓ کی وفات پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اُترے آپؐ غم زدہ تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر نکلے تو غم کا بوجھ کچھ ہلکا تھا۔ فرمایا ”میں نے زینبؓ کے ضعف کے خیال سے اللہ سے دعا کی ہے کہ اے اللہ! اس کی قبر کی تنگی اور غم کو ہلکا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی اور اس کے لئے آسانی پیدا کر دی ہے۔“ (اسد الغابہ جلد 1 صفحہ 1360)

سامعین کرام! حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ صحابیات کے نمونے اپنانے کے متعلق عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تم اپنے مقام کو سمجھو اور اپنے اندر نئی بیداری اور نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ترقی کے لیے بے انتہا مواقع پیدا کیے ہیں۔ تم بھی حضرت عائشہؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی حضرت حفصہؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی حضرت زینبؓ کی نقل کرنے کی کوشش کرو، تم بھی ان صحابیات کی نقل کرنے کی کوشش کرو جنہوں نے اپنے زمانہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔“

(انوار العلوم جلد 21 صفحہ 592)

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡

﴿19﴾ ﴿مشاہدات۔475﴾

سیرت و مناقب حضرت رقیہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ۔ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۔ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (اللہب:2-6)

ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اُس کے کچھ کام نہ آیا اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا۔ وہ ضرور ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا۔ اور اُس کی عورت بھی، اس حال میں کہ وہ بہت ایندھن اٹھائے ہوئے ہو گی۔ اس کی گردن میں کھجور کی چھال کا مضبوطی سے بٹا ہوا رسّہ ہو گا۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے سیرت و مناقب حضرت رقیّہ رضی اللہ عنہا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ خاکسار نے ابتداء میں سورۃ اللہب کی تلاوت کیوں کی ہے کیونکہ یہ سورۃ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے پہلے نکاح کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوئی تھی۔ اس کا ذکر آگے ہو گا۔

حضرت رقیہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ آپؓ بعثتِ نبوی سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تینتیس برس تھی۔ حضرت رقیہؓ حضرت زینبؓ سے تین برس چھوٹی تھیں۔

(ازواج مطہرات و صحابیات صفحہ 257)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمدؐ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں پرورش پائی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر سات سال تھی۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسلام قبول کیا تو ان کے ساتھ آپکی صاحبزادیوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کا نکاح اپنے چچا ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے کیا تھا ابھی رخصتی ہونا باقی تھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ پیغمبر اسلام کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے اور پیغامِ حق کے مقابلہ میں کفر اور شرک کی اشاعت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ اللھب میں آیت تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ میں ابو لہب اور اس کی بیوی کی مذمت فرمائی تو ابو لہب نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا اگر تم محمد کی بیٹی کو طلاق دے کر ان سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو تمہارا میرے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو باپ کے کہنے پر طلاق دے دی۔

(طبقات ابن سعد الاصابہ الابن حجر صفحہ 297)

سامعین! یہ پہلی بڑی تکلیف تھی جو حضرت رقیہؓ کو اسلام کی راہ میں اُٹھانی پڑی لیکن اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور ساتھ ہی رخصتی کر دی۔

(کنز العمال جلد 6 صفحہ 375)

اس شادی کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو نصیحت فرمائی کہ عثمانؓ کا خاص خیال رکھنا۔ وہ اپنے اخلاق میں دیگر اصحاب کی نسبت زیادہ میرے مشابہ ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ حضورؐ صاحبزادی رقیہؓ کے ہاں گئے تو وہ حضرت عثمانؓ کا سر دھو رہی تھیں۔

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد الجزء التاسع صفحہ 58)

حضرت نبی کریمؐ نے اپنی لونڈی ام عیاش جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو وغیرہ کروایا کرتی تھیں۔ حضورؐ نے بطور خادمہ یہ لونڈی حضرت رقیہؓ کی شادی کے وقت گھریلو کام کاج میں اُن کی مدد کے لیے ساتھ بھجوائی۔

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ)

سامعین! نبوت کے پانچویں سال میں جب کفار کے مظالم حدِ برداشت سے بڑھ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کا یہ پہلا قافلہ تھا اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جوڑا خوبصورت ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 66)

حضرت رقیہؓ بنت محمدؐ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے مکہ سے حبشہ ہجرت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی حبشہ ہجرت پر فرمایا ”ابراہیم اور لوط کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔“

(ابنِ عساکر جلد 3 صفحہ 150 بیروت)

حضرت رقیہؓ کے حبشہ ہجرت کر جانے کے بعد کئی روز تک جب آپؓ کی کوئی اطلاع نہ ملی اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد پریشان ہوئے اور مکہ سے باہر تشریف لے جا کر آنے جانے والے مسافروں سے پوچھتے۔ ایک روز ایک عورت نے کہا کہ مَیں نے ان کو حبشہ میں دیکھا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا کہ کس حال میں تھے؟ اُس عورت نے جواب دیا کہ عثمان نے اپنی بیوی کو ایک گدھے پر سوار کیا ہوا تھا۔ اُس کا جواب سُن کر حضور اقدسؐ نے فرمایا ”اللہ ان کا ساتھی ہو۔“

(ازواج مطہرات و صحابیات صفحہ 260)

حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ نے تقریباً 7 یا 8 سال کا عرصہ حبشہ میں گزارا۔ حضرت رقیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکلوتی صاحبزادی تھیں جنہوں نے اسلام کی اس پہلی ہجرت کی توفیق پائی۔ آپؓ اپنی مہربان اور

شفیق والدہ نیز دوسرے گھر والوں سے جدائی کا زخم لیے، دوبارہ ملنے کی اُمید میں صبر سے وقت گزارتی رہیں مگر افسوس کہ 11 رمضان المبارک، ہجرت مدینہ سے تین سال قبل حضرت رقیہؓ کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ انتقال کر گئیں- پھر مکہ میں دوبارہ اپنی والدہ کے ساتھ رہنا حضرت رقیہؓ کو نصیب نہ ہوا۔ حبشہ میں ان کے ہاں ایک بیٹا عبداللہ پیدا ہوا۔ اسی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بیٹے کی عمر دو سال تھی جب ایک مرغ نے اُس کے چہرے پر چونچ مار کر ان کا چہرہ زخمی کر دیا تھا اور اسی زخم کے بگڑ جانے سے ان کی وفات ہوگئی۔ اس کی علاوہ حضرت رقیہؓ کی کوئی اور اولاد نہ تھی۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے والے ہیں تو حضرت عثمانؓ چند صحابہ کرام کے ساتھ مکہ آئے اسی دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا چکے تھے۔ ہجرت حبشہ کے بعد حضرت عثمانؓ ہجرت مدینہ کے لئے تیار ہو گئے اور اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سمیت مدینہ کی طرف دوسری ہجرت فرمائی۔

(الاصابہ لابن حجر جلد 4 صفحہ 298)

اور اس طرح یہ دونوں میاں بیوی "صاحب الہجرتین" (دو ہجرتوں والے) کے معزز لقب سے سرفراز ہوگئے۔

سامعین کرام! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کے گھر حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے تحفے تحائف بھی بھجواتے تھے۔ حضرت اسامہؓ جو دس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ مدینہ کے ابتدائی زمانہ کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضورؐ نے میرے ہاتھ ایک طشت دے کر حضرت عثمانؓ کی طرف بھیجا جس میں کچھ گوشت تھا۔ جب میں ان کے گھر پہنچا تو وہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ میں نے ان دونوں جیسا خوبصورت جوڑا اور کوئی نہیں دیکھا۔ کبھی میں حضرت عثمانؓ کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی حضرت رقیہؓ کی طرف۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان سے مل آئے ہو؟ میں نے کہا۔

جی حضور۔ فرمایا، کیا تو نے ان سے زیادہ حسین جوڑا دیکھا ہے؟ میں نے کہا، نہیں! پھر بتایا کہ یا رسول اللہؐ! میں کبھی حضرت رقیہؓ کو دیکھتا تھا اور کبھی حضرت عثمانؓ کو۔

(طبرانی جلد 1 صفحہ 76)

دو ہجری غزوہ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہ کو خسرہ کے دانے نکلے اور سخت تکلیف ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی تیاری میں مصروف تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوہ میں شرکت کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تیار ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا:

رقیہ بیمار ہے آپ ان کی تیمار داری کے لئے مدینہ میں ہی قیام کریں۔ آپ کے لئے بدر میں شرکت کرنے والوں کے برابر اجر ہے اور غنائم میں بھی ان کے برابر حصہ ہے۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 533)

سامعین! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بدر ہی میں تھے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف بڑھ گئی اور انہوں نے اکیس 21 سال کی عمر میں داعی اجل کو لبّیک کہا۔ ایک روایت کے مطابق جب قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی حضرت زیدؓ بن حارثہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

یہ ایک طبعی امر ہے کہ اپنی اولاد کا دکھ برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے بالکل اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر کی وفات کی اطلاع پا کر طبعاً مغموم ہوئے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ کے جنازے میں رسول کریمؐ ان کی قبر کے پاس بیٹھے آنسو بہا رہے تھے۔ (بخاری کتاب الجنائز)

غزوہ بدر سے مدینہ تشریف لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے اور انہیں خدا کے حوالے کرتے ہوئے یوں الوداع کیا کہ "جاؤ! ہمارے پہلے مرحوم عثمان بن مظعون سے جا ملو" (مہاجرین میں حضرت عثمانؓ بن مظعون پہلے صحابی تھے جنہوں نے مدینہ میں وفات پائی تھی)۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی فاطمہؓ کو لے کر حضرت رقیہؓ کی قبر پر آئے تو فاطمہؓ قبر

کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ کر رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلاسہ دیتے ہوئے اپنے دامن سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الجنائز)

حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا نہایت موزوں اندام تھیں۔ زرقانی میں ہے۔ وہ نہایت خوبصورت تھیں نہ صرف خوبصورت بلکہ خوب سیرت بھی۔ آپ حیاء دار، پاک اور نفیس طبیعت کی مالک تھیں۔ آپ نے عصمت وپرہیز گاری زہد و تقویٰ، نفاست و طہارت، شرم وحیا، حمیت اور غیرت اور دیگر اوصاف کریمہ اور اخلاق عالیہ ورثہ میں پائے تھے۔ حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کی تدفین کے بارے میں یہی قرین قیاس ہے کہ جنت البقیع میں دیگر اہلِ بیت کے ساتھ ہی آپؓ کی بھی تدفین ہوئی ہوگی۔

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿20﴾ ﴿مشاہدات۔476﴾

سیرت و مناقب حضرت اُم کلثومؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى (طٰہٰ:56)

ترجمہ: اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں ہم دوسری مرتبہ نکالیں گے۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سیرت حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والی ہر ایک ہستی ہمارے لیے قابل تکریم و تعظیم ہیں۔ اُن کی سیرت و سوانح سے ہمیں کچھ نہ کچھ سبق ضرور ملتا ہے۔

حضرت اُمِّ کلثوم بنت محمد رضی اللہ عنہا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ آپؓ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ایک سال اور حضرت زینبؓ سے چار سال چھوٹی تھیں اور حضرت فاطمۃ الزہرہؓ سے ایک سال اور بعض روایات کے مطابق چھ یا سات سال بڑی تھیں۔ آپؓ نے آغوشِ نبوت میں پرورش پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اُمُّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی آپ کی تینوں صاحبزادیوں یعنی حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی جب کہ دیگر کئی خواتین نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی اور ہجرت مدینہ تک آپؓ اپنے والد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

اور والدہ حضرت خدیجہؓ کے ہمراہ مکہ میں ہی مقیم رہیں۔ حضرت اُمِّ کلثوم اپنی کنیت کی وجہ سے ہی تاریخ میں مشہور ہیں اور ان کے اصل نام کا علم نہیں۔ (مواھب اللدنیہ جلد 3 صفحہ 199 مصر)

سامعین! آپؓ کا نکاح عرب کے عام رواج کے مطابق چھوٹی عمر میں عتیبہ سے ہوا۔ اس زمانے میں ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف نہ تھا۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو وہ اور اس کی بیوی اُمّ جمیل آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ جب بھی آپ گلی سے گزرتے تو اُمّ جمیل آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں زخمی ہو جاتے مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیتے اس پر مخالفین کا غصہ اور بھی بڑھ جاتا۔ اسی اسلام دشمنی کی وجہ سے ابولہب نے اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو کہا کہ میرا اُٹھنا اور بیٹھنا تمہارے ساتھ حرام ہے اگر تم نے اس (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی۔ اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیٹیوں کو ایک ہی وقت میں طلاق دی گئی یہ پہلا بڑا صدمہ تھا جو اسلام دشمنی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا۔

(ازواج مطہرات وصحابیات صفحہ 247)

طلاق کے بعد حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے والد حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ رہنے کے لیے واپس چلی گئیں۔ کئی سال تک وہ اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھر میں رہیں۔ اس وقت سے آپؐ کے خاندان پر مشکلات کا دور شروع ہوا۔ دشمن آپؐ کے خاندان کا گھیراؤ کر چکے تھے۔ ان دنوں آپؐ کو ان لوگوں کے شر سے پناہ لینے کے لیے شعب ابی طالب گھاٹی میں رہنا پڑا۔ یہ آپؐ کا خاندانی درّہ تھا جو کہ دو پہاڑوں کی اوٹ میں تھا۔ بائیکاٹ کا یہ زمانہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے یہاں گزارا۔ اس زمانہ میں حضرت اُمّ کلثومؓ اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ کے ہمراہ اس جگہ پر رہیں- انہوں نے یہ اڑھائی تین سال کا عرصہ بہت صبر کے ساتھ گزارا۔ اس زمانہ میں غذا کی کمی رہی۔ جب مقاطعہ ختم ہوا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جو کہ بڑی عمر ہونے کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکی تھیں رمضان المبارک 10 نبوی میں وفات پا گئیں۔ حضرت زینبؓ کی شادی ہو چکی تھی اور والدہ کی وفات سے

گھر میں حضرت اُمِّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ اکیلی رہ گئی تھیں۔ شعب ابی طالب کی مشکلات اور طلاق کی تکلیف کے بعد یہ دوسرا صدمہ تھا حضرت اُمِّ کلثومؓ کو اپنی والدہ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

(ازواج مطہرات و صحابیات صفحہ 247)

سن 622ء میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ ہجرت کر گئے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹیوں حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ لانے کے لیے بھیجا۔ حضرت زیدؓ نے اپنے ساتھ حضرت زینبؓ بنتِ رسولؐ کو بھی لے کر جانا چاہا لیکن کفار قریش نے ان کو آنے نہ دیا۔ حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ اس سے پہلے ہی حبشہ اور پھر بعد میں مدینہ ہجرت کر چکی تھیں۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ خاموشی اور حکمت عملی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو مدینہ لے آئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ خانہ کو حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے گھر میں ٹھہرایا۔

(طبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 165)

مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی نسبتاً بہتر تھی۔ مدینہ میں ہی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا نے جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کا مشاہدہ کیا۔ بدقسمتی سے جنگ کے دوران ہی انہیں اپنی بڑی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی افسوس ناک خبر ملی۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ بہت غمگین رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے تسلّی دینے کی کوشش کی تو حضرت عثمانؓ کہنے لگے کہ مَیں اپنی محرومیٔ قسمت پر جتنا غم کروں کم ہے، رقیہؓ جیسی بیوی مجھ سے بچھڑ گئی اور خاندان رسالت سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا۔

بعدازاں 3 ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کے ذریعہ مجھے حکم دیا ہے کہ اپنی بیٹی اُمِّ کلثومؓ کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں۔ چنانچہ یہ شادی ہو گئی اور اس طرح حضرت عثمانؓ 'ذوالنّورین' یعنی دو نوروں والے کہلائے۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے مجھے بذریعہ وحی بتایا ہے کہ میں اپنی دو معزز بیٹیوں کی شادی عثمانؓ سے کروں۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 92 بیروت)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کی بناء حضرت عثمانؓ کو مسجد کے دروازے پر ملے اور فرمایا اے عثمان! یہ جبرائیل ہے جس نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ نے آپ کا نکاح اُمِّ کلثوم سے رقیّہ کے مہر کے برابر اور انہی جیسی مصاحبت پر کر دیا ہے۔

(ابن ماجه افتتاح الکتاب فی الایمان و فضائل الصحابة)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت اُمِّ کلثومؓ کی شادی کے موقع پر آپؐ نے اپنی خادمہ اُمِّ ایمنؓ سے فرمایا کہ میری بیٹی کو تیار کرو اور اسے دلہن بنا کر عثمانؓ کے پاس لے جاؤ اور اس کے آگے دف بجاتی جانا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

(الکامل لابن عدی جلد 5 صفحہ 134 بیروت)

حضرت عثمانؓ نے ہمیشہ حضرت اُم کلثومؓ کا خاص خیال رکھا اور ان کے لیے ہمیشہ اچھے لباس اور اچھے کھانے کا انتظام کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اُمِّ کلثوم کو ریشم کی دھاری دار چادر پہنے دیکھا۔

(بخاری کتاب اللباس)

سامعین! حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے خاوند بہتر ہیں یا فاطمہؓ کے؟ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر فرمایا تیرا خاوند اُن افراد میں سے ہے جو اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کا رسولؐ بھی اُسے چاہتے ہیں۔ آپؓ واپس جانے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس بلایا اور فرمایا کہ مَیں نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا، آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ میرا خاوند اُن لوگوں میں سے ہے جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کا رسول اُس سے محبت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! ہاں ٹھیک کہتی ہو اور مَیں اِس پر زائد یہ کہتا ہوں ”مَیں جنت میں داخل ہوا اور اُس میں تیرے خاوند سے مقام و مرتبہ میں برابر کسی اور صحابی کو نہیں دیکھا۔“ (اہلِ بیت رسولؐ از حافظ مظفر احمد صفحہ 273)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ چھ سال تک رہیں۔ آپؓ کی اُن سے کوئی اولاد نہیں تھی۔

سامعین! حضرت ام کلثومؓ 9 ہجری میں فوت ہوئیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا جنازہ خود پڑھایا اور قبر کے کنارے تشریف فرما ہو کر اپنی موجودگی میں تدفین کروائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی اُم کلثومؓ کی وفات پر تجہیز و تکفین کا انتظام اپنی نگرانی میں کروایا۔ حضرت لیلیٰ بنت الثقفیہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں شامل تھی جنہوں نے حضرت اُمّ کلثومؓ کو ان کی وفات پر غسل دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہ بند کے لیے کپڑا دیا پھر قمیص، اوڑھنی اور اُوپر کا کپڑا۔ اس کے بعد اُن کو ایک اور کپڑے میں لپیٹ دیا گیا۔ وہ بتاتی تھیں کہ غسل کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے پاس کھڑے تھے۔ حضورؐ کے پاس سارے کپڑے تھے اور آپؐ باری باری ہمیں پکڑا رہے تھے۔ (مسند احمد جلد 6 صفحہ 380)

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اُمّ کلثومؓ قبر میں رکھی گئی تو رسول خداؐ نے یہ آیت تلاوت کی جو خاکسار نے تقریر کے ابتدا میں تلاوت کی تھی یعنی مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى (طٰهٰ:56)

ترجمہ: اس سے ہی ہم نے تم کو پیدا کیا اور اس میں تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری دفعہ نکالیں گے۔

حضرت اُمِّ کلثوم کی وفات پر حضرت عثمان کے اخلاص اور وفا کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے تم سے بیاہ دیتا۔

(المعجم الکبیر لطبرانی جلد 22 صفحہ 436)

حضرت اُمِّ کلثوم کو اُن کی بہن حضرت رقیہ بنت محمد رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿21﴾ ﴿مشاہدات۔456﴾

سیرت و مناقب حضرت فاطمۃ الزہرہؓ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:34)

یعنی اے اہلِ بیت! یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلائش دور کردے اور تمہیں اچھی طرح پاک کردے۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان سیرت و مناقب حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس نیلے آسمان کے نیچے اور زمین کے اس سینے پر محسن انسانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے عزیز ترین اگر کوئی شخصیت تھی تو وہ آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں۔ آپ نے اپنی اس جگر گوشہ کو جنت میں عورتوں کی سردار قرار دیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ کی پیدائش بعثتِ نبویؐ سے پانچ سال قبل 20 جمادی الآخر میں اُس زمانہ میں ہوئی جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر نَو میں مصروف تھے۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر پچاس سال تھی۔

(سیرت النبیؐ شبلی نعمانی جلد دوم صفحہ 252)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے کئی مشہور القاب ہیں جیسے کہ زہراء یعنی تازہ پھول کی طرح پاکیزہ اور حسین و جمیل، بتول یعنی اللہ کی سچی اور بے لوث بندی، سیدۃ النساء الجنّہ یعنی جنت کی عورتوں کی سردار، راضیہ یعنی

اللہ اور رسول کی رضا پر راضی رہنے والی اور طاہرہ یعنی پاکباز اور پھر آپؓ کا نام فاطمہ کے معنی ہیں باز رہنے والی۔ آپؓ یقیناً دنیا اور علائق دنیا سے پاک اور باز رہنے والی تھیں۔

(سیرت فاطمۃ الزہرہؓ صفحہ 22)

سامعین! حضرت فاطمہؓ فطری طور پر نہایت متین اور تنہائی پسند تھیں۔ چونکہ والدین کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اس لیے حضرت خدیجہؓ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ جب آپؓ پانچ سال کی تھیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر فائز کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں تو خفیہ طور پر لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہے لیکن جب بعد میں آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کھلے بندوں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو قریش کی طرف سے مظالم اور مصائب کے دروازے کھل گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے بچپن سے ہی دردناک ماحول دیکھا۔ آپؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کرتی تھیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذراسی تکلیف سے بے چین ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی سنگدل مشرک نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ اقدس پر خاک ڈالی دی۔ آپؐ اسی حالت میں گھر تشریف لے آئے۔ سیدہ فاطمہؓ نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو بے قرار ہو گئیں۔ پانی لے کر آئیں اور پھر سرِ اقدس دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو روتے دیکھا تو فرمایا: بیٹی! رومت۔ اللہ تیرے باپ کو محفوظ رکھے گا۔ اپنے دین اور رسالت کے دشمنوں کے خلاف مدد کرے گا۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ 344)

اسی طرح ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے نزدیک نماز ادا کر رہے تھے جب کفار کے کہنے پر ایک بدبخت عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی اوجھڑی لایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانوں کے درمیان اس وقت رکھ دی جبکہ آپؐ سجدہ کی حالت میں تھے۔ سول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں تھے کہ سجدے سے سر مبارک نہ اٹھا سکے۔ تمام کفار یہ دیکھ کر ہنسنے اور خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہؓ کو خبر ہوئی۔ وہ آئیں اور انہوں نے سرکار دو عالمؐ کے شانوں سے اس اوجھڑی کو اٹھایا

اور ان کافروں کو بُرا بھلا کہا۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! ان بدبختوں کو مَیں تیرے سپرد کرتا ہوں۔

(رحمۃ اللعالمینؐ از محمد سلیمان سلمان منصور پوری صفحہ 98)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کہیں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے مل کر رخصت ہوتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملتے۔ سفر طائف کے وقت بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ سے شفقت و محبت فرمانے کے بعد روانہ ہوئے لیکن جب طائف سے لوٹے تو خستگی اور زخموں کی وجہ سے نڈھال تھے۔ حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر بہت پریشان اور مضطرب ہوئیں اور پھر اپنی بہن حضرت امّ کلثوم کے ساتھ مل کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے میں دن رات ایک کر دیا۔

سامعین! ہجرت مدینہ کے بعد جبکہ آپؓ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی تو شادی کے پیغامات آنے شروع ہوئے۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ نے شادی کے لئے درخواست کی لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ دونوں نے یہ سمجھ کر کہ آپؐ کا ارادہ حضرت علیؓ کے متعلق معلوم ہوتا ہے، حضرت علیؓ کو تحریک کی۔ وہ پہلے ہی خواہشمند تھے مگر بوجہ حیا اور تنگدستی خاموش تھے۔ جب انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو کر درخواست کی تو دوسری طرف خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی اِذن ہو چکا تھا۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا۔ وہ بوجہ حیا خاموش رہیں۔ یہ ایک طرح سے اظہارِ رضا تھا۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو جمع کر کے حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا نکاح پڑھ دیا۔ یہ 2 ہجری کے ابتدائی مہینے تھے۔ پھر جنگ بدر کے بعد رخصتی کی تجویز ہوئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس مہر کی ادائیگی کیلئے کچھ ہے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا: میرے پاس تو کچھ نہیں۔ فرمایا: وہ زرہ کیا ہوئی جو بدر کے مغانم میں سے تمہیں دی تھی۔ عرض کیا: وہ تو ہے۔ فرمایا: بس وہی لے آؤ۔ چنانچہ یہ زرہ 480 درہم میں حضرت عثمانؓ نے خرید لی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رقم سے شادی کے اخراجات کئے اور حضرت فاطمہؓ کو جو جہیز دیا وہ ایک بیلدار چادر، ایک چمڑے کا گدیلا (جس میں کھجور کے

خشک پتے بھرے ہوئے تھے)، ایک مشکیزہ اور غالباً ایک چکّی بھی شامل تھی۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس برس پانچ ماہ تھی۔

شادی تک حضرت علیؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کے کسی حجرہ میں رہتے تھے۔ مگر شادی کے بعد ضروری ہوا کہ کوئی الگ مکان ہو جس میں خاوند بیوی رہ سکیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ اب تم کوئی مکان تلاش کرو جس میں تم دونوں رہ سکو۔ حضرت علیؓ نے عارضی طور ایک مکان کا انتظام کیا اور اس میں حضرت فاطمہؓ کا رخصتانہ ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رخصتانہ کے بعد اُن کے مکان پر تشریف لے گئے اور تھوڑا سا پانی منگوا کر اس پر دعا کی۔ پھر وہ پانی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ ہر دو پر یہ الفاظ کہتے ہوئے چھڑکا اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِیْھِمَا وَبَارِكْ عَلَیْھِمَا وَبَارِكْ لَھُمَا نَسْلَھُمَا یعنی اے میرے اللہ! تُو اِن دونوں کے باہمی تعلقات میں برکت دے اور اِن کے اُن تعلقات میں برکت دے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ قائم ہوں اور اِن کی نسل میں برکت دے۔

(سیرت خاتم النبیینؐ از مرزا بشیر احمدؓ صفحہ 515)

دوسرے دن ولیمہ ہوا جس کے لئے حضرت سعدؓ بن وقاص نے ایک بھیڑ ہدیۃً دی۔ حضرت علیؓ نے مہر میں سے بچ جانے والی رقم سے کچھ نان، کھجوریں اور پنیر خریدا۔ حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھے وہ نظارہ خوب یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے لیے بوقت رخصتی خاص دعائیں کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سادگی سے حضرت فاطمہؓ کو رخصت کیا اور انہیں نصیحت فرماتے ہوئے کہا کہ تمہارا شوہر دنیا و آخرت میں سردار ہو گا۔ یہ میرے اوّلین صحابہ میں سے ہے اور علم و حلم میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ (زرقانی جلد 2 صفحہ 4)

حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ نے دوسری شادی نہیں کی۔

سامعین! حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی سیرتِ مبارکہ ہر لحاظ سے مومن خواتین کے لئے اعلیٰ ترین نمونہ ہے آپؓ کی گھریلو زندگی اور حیاتِ طیبہ کے واقعات سے صبر و شکر اور ربّ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کا درس ملتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ اپنے گھر کے تمام کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں اور آپؓ کو اپنے خاوند کی خدمت کرنا بہت محبوب تھا۔ ایک مرتبہ آپؓ کو بخار ہو گیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ رات آپؓ نے بڑی بے چینی اور اضطراب کی حالت میں کاٹی کہ آپؓ کی بیقراری کی وجہ سے مَیں بھی نہ سو سکا۔ رات کے آخری پہر ہم دونوں کی آنکھ لگ گئی۔ فجر کی اذان ہوئی تو مَیں اٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھا کہ آپؓ وضو کر رہی ہیں۔ مَیں نے سوچا کہ بجائے وضو کے تیمم کر لیتیں تو بہتر تھا۔ مگر مَیں نے کچھ نہ کہا اور مسجد چلا آیا۔ جب واپس آیا تو دیکھا کہ آپؓ حسب معمول چکّی پیس رہی ہیں اور آثارِ مرض چہرہ سے نمایاں ہیں۔ مَیں نے کہا: فاطمہ! تمہیں اپنے آپ پر رحم نہیں آتا۔ ساری رات تم نے تڑپ کر گزاری۔ پھر صبح ٹھنڈے پانی سے وضو کر لیا اور اب چکّی پیسنے بیٹھ گئیں۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ "اگر مَیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں مر بھی جاؤں تو مجھے ابدی مسرت ملے گی۔ مَیں نے وضو کیا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اور چکّی پیسی آپ کی اطاعت کے لئے اور بچوں کی خدمت کے لئے۔ فاطمہؓ کے لئے ان سے بڑھ کر اور کون سا فریضہ ہو سکتا ہے۔"

حضرت امام حسنؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اپنے خانہ داری کے کاموں کی انجام دہی میں کبھی کسی عزیز یا ہمسایوں کو اپنی معاونت کی تکلیف نہیں دیتی تھیں اور کام کی کثرت سے نہ گھبراتی تھیں۔

غربت اور مصائب کے باوجود حضرت فاطمہؓ میں سخاوت اور محتاجوں کی مدد کرنے کا جذبہ بے انتہا تھا۔ حضرت امام حسنؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سارا دن بھوکے رہنے کے بعد شام کے وقت ہم لوگوں کو کھانا میسر ہوا۔ حضرت فاطمہؓ نے پہلے ہمیں کھلایا، پھر خود کھانے کے لئے بیٹھیں۔ ابھی لقمہ توڑ کر تناول فرمانا چاہتی تھیں کہ دروازہ پر سائل نے صدا لگائی کہ دو وقت کا بھوکا ہوں۔ اُس کی آواز سن کر آپؓ بے چین ہو گئیں۔ روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا اور پوری روٹی مجھے دے کر فرمایا کہ جاؤ! اس بھوکے کو دے آؤ۔ میں نے پوچھا: اماں جان! آپ خود بھی تو بھوکی ہیں۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا: بیٹا! تمہاری ماں تو صرف ایک ہی وقت کی بھوکی ہے جبکہ یہ سائل دو وقت کا بھوکا ہے اور ہم سے زیادہ مستحق ہے۔

(سیرت فاطمۃ الزہرہؓ صفحہ 116)

سامعین! حضرت خدیجہؓ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ قبیلہ بنو سلَیم کا ایک بوڑھا اعرابی مسلمان ہوا۔ اُس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بنی سلَیم کے تین ہزار آدمیوں میں سے سب سے زیادہ

غریب مَیں ہوں۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کون تم میں سے اس مسکین کی مدد کرے گا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے اُسے ایک اونٹنی دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون اس کا سر ڈھانکے گا؟ حضرت علیؓ نے اپنا عمامہ اتار کر اُس کے سر پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا: کون ہے جو اس کی خوراک کا انتظام کرے؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اعرابی کو ہمراہ لیا اور اُس کی خوراک کا انتظام کرنے نکلے۔ چند گھروں سے دریافت کیا مگر وہاں سے کچھ نہ ملا تو حضرت فاطمہؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور صورتحال بیان کی تو انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم ! ہم سب کو تیسرا فاقہ ہے، دونوں بچے بھوکے سوئے ہوئے ہیں لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دوں گی۔ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ فاطمہ بنت محمدؐ کی یہ چادر رکھ لو اور اِس غریب انسان کو تھوڑی سی جنس دے دو۔ حضرت سلمانؓ اعرابی کو ساتھ لے کر یہودی کے پاس پہنچے اور اُس سے تمام کیفیت بیان کی۔ وہ بے اختیار پکار اُٹھا: خدا کی قسم! یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی۔ اے سلمان! گواہ رہنا کہ مَیں فاطمہؓ کے باپ پر ایمان لایا۔

(سید الوریٰ جلد سوئم صفحہ 513، خدیجہ جرمنی صحابیاتؓ نمبر صفحہ 63)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہمیشہ یہ ہوتی کہ اُن کی اولاد سادگی سے زندگی بسر کرے اس کی ایک مثال کی جھلک ہمیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی نظر آتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی ہوئی اور حسب معمول سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ گھر میں ایک رنگین پردہ لگا ہوا ہے اور حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو آپؐ کے اس طرح چلے جانے پر بہت رنج ہوا اور رونے لگیں۔ فوراً وہ پردہ اور کنگن آپؐ کی خدمت میں بطور صدقہ بھجوا دیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت اصحاب الصفّہ پر صَرف کر دی۔

(سنن ابوداؤد، نسائی)

حضرت علیؓ کے پاس کوئی سرمایہ یا جائیداد نہ تھی۔ مزدوری پر معاش کا دارومدار تھا۔ بارہا فاقوں تک نوبت پہنچتی۔ ایسے میں حضرت فاطمہؓ نے انتہائی صبر و شکر اور قناعت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ چکّی پیستے ہوئے

ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے، صفائی کرتے اور چولہے کے پاس بیٹھ کر کپڑے سیاہ ہو جاتے۔ ایک بار آپؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر کے کام کاج کے لئے لونڈی مانگی اور اپنے ہاتھوں کے چھالے دکھائے تو آپؐ نے فرمایا: جانِ پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔

(سیرت الصحابیات صفحہ 109)

سامعین! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ تربیت پائی اس لیے آپؓ کی شخصیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مَیں نے چال ڈھال، طور اطوار اور گفتگو میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کوئی نہیں دیکھا۔

(ترمذی کتاب المناقب باب فضل فاطمہ)

حضرت عائشہؓ اگرچہ حضرت فاطمہؓ سے چھوٹی تھیں لیکن جب اُن کا نکاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا تو حضرت فاطمہؓ اُن سے اِس طرح محبت کرنے لگیں جیسے حقیقی ماں سے کی جاتی ہے اور حضرت عائشہؓ بھی آپؓ کے اخلاق سے اس قدر مسرور ہوئیں کہ آپؓ کو ایک بیٹی سے زیادہ عزیز رکھتیں۔ اسی طرح حضرت حفصہؓ آپؓ کی ہم عمر اور سہیلی تھیں۔ جب اُن کا نکاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا تو آپؓ نے بے تکلّفی ترک کر دی اور اُن کا اس طرح احترام کرنے لگیں گویا وہ اُن کی ماں ہیں۔

سامعین! حضرت فاطمہؓ کو عبادت سے بے انتہا شغف تھا۔ ہر وقت خوفِ الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ہر وقت زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان ہے کہ آپؓ گھر کا کام کاج کرتے ہوئے قرآن کریم پڑھتی رہتیں۔

حضرت فاطمہؓ کے بارہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتے کے ذریعہ اطلاع پاکر "سَیِّدَۃُ نِّسَاء الْجَنّۃ" کی خوشخبری دی تھی۔

(صحیح بخاری جلد دوم صفحہ 500 کتاب الانبیاء)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ عورتوں کی تقلید کے لیے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہ کافی ہیں۔ (ترمذی کتاب المناقب)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی اولاد سے بھی قلبی لگاؤ تھا۔ ایک بار حضرت اُسامہؓ نے دروازہ پر دستک دی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز چادر میں لپیٹے باہر تشریف لائے۔ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ ! آپ کیا لپیٹے ہوئے ہیں؟ آپؐ نے کپڑا اُٹھایا تو اس میں حسنؓ اور حسینؓ ظاہر ہوئے جو آپؐ کی گود میں چڑھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے، میری بیٹی کے لختِ جگر ہیں۔ اے اللہ ! مَیں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تُو بھی اِن دونوں سے اور ہر اُس شخص سے جو اِن سے محبت کرتا ہے محبت کر۔

(صحیح بخاری جلد دوم صفحہ 495)

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے اِس موقع پر وہی آیت پڑھی جو کہ خاکسار نے شروع میں بیان کی ہے۔ اے اہلِ بیت! یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلائش دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة باب فضائل اهل بیت النبیؐ)

حضرت اُمِّ سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں ان کے صاحبزادے حسنؓ اور حسینؓ بھی ہمراہ تھے، حضرت فاطمہؓ ہنڈیا میں کچھ کھانا حضورؐ کے لیے لائیں تھیں۔ وہ آپؐ کے سامنے رکھا۔ آپؐ نے پوچھا ابو الحسنؓ یعنی حضرت علیؓ کہاں ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا گھر میں ہیں۔ حضورؐ نے انہیں بلا بھیجا اور پھر سب اہلِ بیت بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے فارغ ہو کر ان اہلِ بیت کے حق میں یہ دُعا کی:

”اے اللہ! جو اِن اہلِ بیت کا دشمن ہو تُو اُس کا دشمن ہو جا اور جو اِنہیں دوست رکھے تُو اُسے دوست رکھنا۔“

(مجمع الزوائد للھیثمی جلد 9 صفحہ 262 بیروت)

حضرت ابو لیلیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ کم سِن حضرت حسنؓ یا حسینؓ میں سے کوئی آپؐ کی گود میں چڑھا ہوا تھا۔ اچانک بچے نے پیشاب کر دیا اور مَیں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پیشاب کے نشان دیکھے۔ ہم لپک کر بچے کی طرف بڑھے تاکہ اُسے اٹھالیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بیٹے کو میرے پاس رہنے دو اور اِسے ڈراؤ نہیں۔ پھر آپؐ نے پانی منگوا کر اس پر اُنڈیل دیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 348)

پیارے بھائیو! جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہؓ کی عمر 29 سال تھی۔ جب آپؐ علیل تھے تو ایک دن حضرت فاطمہؓ خبر گیری کے لئے تشریف لائیں۔ رسول کریمؐ نے نہایت شفقت سے آپؓ کو اپنے پاس بٹھایا اور کان میں کوئی بات کی تو وہ رو پڑیں۔ پھر دوبارہ کچھ آپؓ کے کان میں فرمایا تو آپؓ ہنسیں۔ حضرت عائشہؓ نے آپؓ سے اس طرح رونے اور پھر ہنسنے کی وجہ پوچھی تو آپؓ نے فرمایا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری موت قریب ہے، مَیں روئی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم سب سے پہلے میرے اہلِ بیت میں سے میرا ساتھ دو گی۔ تب مَیں ہنسی۔

(بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوۃ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد 3 رمضان 11 ہجری کو حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ 58)

وفات سے قبل آپؓ نے حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو بلا کر فرمایا کہ میرا جنازہ لے جاتے وقت پردہ کا پورا خیال رکھنا۔ سوائے اپنے اور میرے شوہر کے کسی سے مدد نہ لینا۔ حضرت اسماء نے آپؓ کی ہدایت کے مطابق جنازہ پر کھجور کی شاخوں کا گہوارہ سا بنایا اور اوپر چادر ڈالی اور پھر جنازہ کو حضرت علیؓ باہر لائے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ سے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہا۔ انہوں نے کہا کہ آپ خلیفۃ الرسول ہیں، مَیں آپ سے پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(کنز العمال جلد 6 صفحہ 318 طبع قدیم)

ایک روایت کے مطابق آپؓ کی تدفین جنت البقیع میں حضرت امام حسنؓ کے مزار کے پاس ہوئی لیکن ابن سعد کے مطابق وہ دار عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 27)

حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضرت فاطمہؓ کا سلوک آپ کے ساتھ کیسا تھا؟ حضرت علیؓ نے ایک سرد آہ بھر کر فرمایا

”فاطمہ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھا جس کے مرجھا چُکنے کے بعد بھی اُس کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے۔“

(خدیجہ 2011ء صحابیات نمبر صفحہ 64)

حضرت فاطمہؓ کے بطن سے پانچ بچے پیدا ہوئے جن میں تین بیٹے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور محسن تھے (محسن بطن مادر میں ہی فوت ہو گئے تھے) دو بیٹیاں حضرت اُمِّ کلثومؓ اور حضرت زینبؓ تھیں۔

سامعین کرام! حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا تاریخ بشریت کی نادر، صاحب فضل و کمال شخصیت ہیں۔ آپؓ خواتین عالم کے لیے اسوہ کامل کا درجہ رکھتی ہیں، بیٹی، ماں اور اہلیہ کی حیثیت سے انہوں نے وہ ناقابل فراموش کردار پیش کیا جو ہر اعتبار سے بے مثال اور قابل تقلید ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت طیبہ دنیا بھر کی عورتوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿22﴾ ﴿مشاہدات۔478﴾

صاحبزادۂ رسولؐ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

(الاحزاب:41)

ترجمہ: محمد تمہارے (جیسے) مَردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول ہے اور سب نبیوں کا خاتَم ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچہء آل محمد است

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان صاحبزادۂ رسولؐ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے پچیس سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئی سوائے ایک صاحبزادے ابراہیم کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُمِّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے سے تو عموماً تاریخ و سیرت کے علماء کا اتفاق ہے لیکن بیٹوں کی تعداد اور نام کے حوالے سے مختلف روایات ملتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بیٹے چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے تھے۔ مستند طور پر آپ کے بیٹوں کی تعداد چار بیان کی جاتی ہے۔ آپؐ کے سب سے پہلے بیٹے جن کے بارے میں تاریخ دانوں میں اختلاف نہیں ان کا نام قاسم تھا اور

انہی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت "ابو القاسم" مشہور ہوئی۔ آپ کے یہ بیٹے صرف ڈیڑھ دو سال تک زندہ رہے اور بعض روایتوں کی رُو سے صرف سات دن۔

(سیرت حلبیہ جلد 3 صفحہ 404)

اس کے بعد ابن اسحاق کے مطابق آپ کے ہاں دو بیٹے طاہر اور طیب پیدا ہوئے، مگر یہ دونوں بھی زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے اور نبوت سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 192)

ایک روایت کے مطابق صاحبزادہ عبد اللہ کو ہی طاہر اور طیب بھی کہا جاتا ہے جبکہ دوسری روایت کے مطابق صاحبزادہ طاہر اور صاحبزادہ طیب، صاحبزادہ عبد اللہ کے علاوہ تھے جو قبل از بعثت توام پیدا ہوئے۔ اسی طرح قبل از بعثت صاحبزادہ طیب اور صاحبزادہ مطیب کی توام ولادت اور ایک اور بچے عبد المناف کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طاہر کے ساتھ توام پیدا ہونے والے بیٹے کا نام مطہر تھا۔

(اہلِ بیت رسولؐ از حافظ مظفر احمد صفحہ 37)

ان بیٹوں کے علاوہ اور بھی کئی نام تاریخ میں ملتے ہیں جو سب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ ان تمام لڑکوں (بیٹوں اور نواسوں) کا اگر مجموعی طور پر شمار کریں جو آپ کی زندگی میں فوت ہوئے تو یہ تعداد گیارہ بارہ تک پہنچ جاتی ہے۔

(سیرت الحلبیہ جلد 3 صفحہ 404)

سامعین! اولاد کا وفات پا جانا والدین کے لیے ایک بہت ہی بڑا صدمہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود جس عظیم الشان صبر کا جو نمونہ ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ بے مثال ہے۔ جب آپؐ کی آنکھیں اپنے ایک نواسے کی جدائی پر اشکبار ہوئیں تو ایک بھی حرف شکایت زبان پر جاری نہ ہوا بلکہ یہی کہا کہ اللہ ہی کا ہے جو وہ لیتا ہے اور وہ بھی جسے وہ دیتا ہے اور سب کے لیے ایک مدت مقرر ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب التوحید)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم خُلق کو یوں بیان فرماتے ہیں:

”تاریخ دان لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے گھر میں گیارہ لڑکے پیدا ہوئے تھے اور سب کے سب فوت ہو گئے تھے اور آپ نے ہر ایک لڑکے کی وفات کے وقت یہی کہا کہ مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں۔ میں خدا کا ہوں اور خدا کی طرف جاؤں گا۔ ہر ایک دفعہ اولاد کے مرنے میں یہی منہ سے نکلتا تھا کہ اے خدا! ہر ایک چیز پر میں تجھے مقدّم رکھتا ہوں مجھے اس اولاد سے کچھ تعلق نہیں. کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ بالکل دُنیا کی خواہشوں اور شہوات سے بے تعلق تھے اور خدا کی راہ میں ہر ایک وقت اپنی جان ہتھیلی پر رکھتے تھے۔“

(چشمہ ٔمعرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 299)

آج خاکسار نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صاحبزادے کا ذکر کرنا ہے ان کا نام ابراہیم رضی اللہ عنہ ہے۔ آپؓ، اُم المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے 8 ہجری میں ذی الحجہ کے مہینہ میں پیدا ہوئے۔ جب حضرت ماریہؓ حاملہ ہوئیں تو جبریلؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ”اے ابو ابراہیم! آپؐ پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ماریہ سے ایک لڑکا عطا کرنے والا ہے اور ارشاد ہے کہ آپ اس کا نام ابراہیم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ بیٹا مبارک کرے اور دنیا اور آخرت میں اسے آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنائے۔“

(تاریخ دمشق جلد 1 صفحہ 110)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم کی ولادت سے اگلے روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”آج رات مجھے اللہ تعالیٰ نے لڑکا دیا ہے جس کا نام مَیں نے اپنے باپ کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔“

(مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ الصبیان و العیال)

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

حضرت ماریہؓ کی دایہ حضرت سلمیٰؓ تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر ابو رافعؓ کو یہ خوشخبری سنائی اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نومولود کی خوشخبری دی۔ رسول خدا صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوشخبری پر حضرت ابو رافعؓ کو ایک غلام انعام کے طور پر دیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ سات دن کے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقیقہ کے لئے ایک بھیڑ کو ذبح کیا اور نومولود کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر راہ خدا میں چاندی دی۔

(ابن عساکر جزء 3 صفحہ 236)

انصار کی خواتین ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے میں رقابت کر رہی تھیں اور اس طرح وہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک تر ہونا چاہتی تھیں کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو عزیز رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعی بننے کی سعادت بالآخر حضرت اُم بردہؓ خولہ بنت منذر بن زید کو حاصل ہوئی۔

(تاریخ دمشق جلد 7 صفحہ 413)

کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابو سیفؓ کی بیوی حضرت اُم سیفؓ نے رضاعت کی سعادت حاصل کی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیمؑ سے بہت محبت تھی۔ آپؐ ان کو دیکھنے ان کے رضاعی والدین کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کبھی ابراہیمؑ کو آپؐ کے پاس بھی لایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تقریباً 18 ماہ کی عمر پائی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ آپؑ کی وفات ایک الٰہی تقدیر تھی جس کے متعلق اشارے بھی موجود تھے جیسا کہ خاکسار نے سورۃ الاحزاب کی آیت 41 تلاوت کی ہے کہ محمدؐ تم جیسے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ یہ آیت ابراہیمؑ کی ولادت سے تین سال قبل وحی ہو چکی تھی جس سے یہ اشارہ بھی ملتا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے گی۔ آپؑ کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْعَاشَ اِبْرَاهِيْمَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ایک صدیق نبی ہوتا۔

(ابن ماجہ کتاب الجنائز)

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کو غسل دے کر کفن دیا جائے۔ اس کے بعد ان کے جنازہ کو اٹھا کر قبرستان بقیع میں لایا گیا اور اس جگہ پر سپرد خاک کیا گیا۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عزیز بیٹے کی وفات پر بھی کمال صبر کا مظاہرہ فرمایا لیکن ابراہیمؓ کا جنازہ دیکھ کر آپؐ کی بھی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ایک صحابی نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپ بھی روتے ہیں؟ فرمایا یہ تو اولاد سے محبت کا جذبہ ہے کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے مگر ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جس سے ہمارا ربّ ناراض ہو اور اے ابراہیم! سچی بات تو یہ ہے کہ تیری جدائی پر ہم بہت غمگین ہیں۔

(بخاری کتاب الجنائز)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر یہ بھی فرمایا کہ ابراہیمؓ کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہو گی۔

(بخاری کتان الجنائز باب ما قیل فی اولاد المسلمین)

یعنی ان کی روحانی تکمیل جنت میں ہو گی۔

حضرت ماریہؓ بھی اپنی اکلوتی اولاد کی وفات پر غمگین تھیں۔ آپؓ کی بہن سیرین روایت کرتی ہیں کہ جب ابراہیمؓ کے آخری لمحات تھے تو مَیں اور میری بہن ماریہ رونے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا لیکن جب وہ فوت ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونچی آواز میں رونے سے منع فرمادیا۔

(طبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 215)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہتے تھے۔ چنانچہ اتفاق سے جب حضرت ابراہیمؓ کی وفات پر سورج گرہن بھی ہوا تو اُس پر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے عظیم الشان بیٹے کی وفات پر سورج بھی گہنا گیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شک اپنے بیٹے سے بہت پیار تھا لیکن پھر بھی آپؐ نے یہ حق بات کھول کر لوگوں کو بیان کی کہ چاند اور سورج اللہ کے نشانات میں سے ہیں۔ کسی کی موت یا پیدائش پر ان کو گرہن نہیں لگا کرتا۔ البتہ اس نشان کو دیکھ کر اللہ سے ڈرتے ہوئے صدقہ وغیرہ دینا چاہیے۔

(بخاری کتاب الکسوف)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہؓ اور اپنے بیٹے کے ننھیالی رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ اچھا تعلق رکھا۔ آپؐ نے اہلِ مصر کے بارہ میں مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ

''جب تم مصریوں پر غالب آؤ تو اُن سے حسنِ سلوک کرنا کیونکہ ان کے ساتھ ایک تو ''ذمہ'' کا تعلق ہے دوسرے ''رحم'' کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ بھی انہی میں سے تھیں۔''

(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 50)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی تدفین خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت البقیع میں فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿23﴾ ﴿مشاہدات۔ 471﴾

سیرت و مناقب نواسہ رسولؐ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

(ال عمران:135)

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو آسائش میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگی میں بھی اور غصہ دبا جانے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

نانا کی چاہتوں پر اترا وہ سر تا پا
رشتہ نبھا گیا ہے نواسہ رسولؐ کا

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے "سیرت و مناقب نواسہ رسولؐ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے پانچ اولاد عطا فرمائیں جن میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپؓ کے بڑے صاحبزادے تھے۔

آپؓ کا نام حسن اور کنیت ابو محمدؐ ہے۔ آپ کا نام اور کنیت دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہیں۔ آپ کو ریحانۃ النبیؐ یعنی حضورؐ کے پھول اور شبیہ النبیؐ یعنی حضورؐ کے مشابہ جیسے قابل اعزاز القابات سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپؓ سر سے لے کر سینہ مبارک تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضرت امام حسنؓ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھنے والا نہ تھا۔

روایت کے مطابق آپ 15 رمضان المبارک سن 3 ھجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اپنے مبارک لعاب دہن سے آپ کے منہ میں گھٹی ڈالی۔ (ترمذی کتاب الاضاحی باب الاذان)

ولادت کے ساتویں دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کا عقیقہ کیا اور خود دو مینڈھے ذبح کروائے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ کے سر کے بال مونڈ کر ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ میں دی۔

(سنن نسائی کتاب العقیقہ)

حضرت علیؓ نے آپؓ کا نام حرب تجویز کیا۔ مگر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس نام کو تبدیل کر کے حَسَن رکھ دیا یعنی ظاہری حُسن اور باطنی خوبیوں کا مرقع۔ (اسد الغابہ جلد 1 صفحہ 264)

بچپن میں کفالت اور رضاعت کی سعادت حضرت ام الفضلؓ کو حاصل ہوئی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی اہلیہ ہیں ان کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ حضرت حسنؓ کی پیدائش سے پہلے حضرت ام الفضلؓ نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا ایک ٹکڑا میری گود میں آگرا ہے۔ آپؐ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ میری بیٹی فاطمہؓ کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کی کفالت اُم الفضلؓ کریں گی۔

معزز سامعین! حضرت امام حسنؓ کی پرورش و تربیت آغوش مصطفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی تھی جس وجہ سے آپؓ اعلیٰ اخلاقی خصوصیات کے حامل تھے۔ جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں وہ بعینہٖ آپؓ کی شخصیت کو اُجاگر کرتی ہیں یعنی، سخاوت، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، عفو و درگزر، حق گوئی و بے باکی اور جرات و شجاعت اور احسان کرنے جیسی صفات آپؓ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ دن کو اکثر روزہ رکھتے اور رات سجود و قیام میں بسر کرتے۔ آپؓ نے ظاہری و باطنی علوم اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے تھے۔ صبر و سخاوت نانی حضرت خدیجہؓ سے ورثے میں ملی تھی۔ شرافت، نیکی اور عفت و عصمت اپنی والدہ حضرت فاطمہؓ سے منتقل ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی آپؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ کے بارے میں فرماتے تھے

کہ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے اس سے تو بھی محبت فرما۔ یہ بات فرما کر آپؐ نے حضرت حسنؓ کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا۔

(بخاری کتاب اللباس)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ

"حضرت حسنؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ کر آپؐ کی داڑھی مبارک میں انگلیاں ڈال رہے تھے اور آپؐ اپنی زبان ان کے منہ میں دیتے اور فرماتے:" اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔" (مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 187)

حضرت حسنؓ جب کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آتے اور آپؐ نماز میں سجدے میں ہوتے تو آپؐ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے اور جب تک خود نہ اُتر جاتے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر سجدے سے نہ اٹھاتے اور اگر کبھی آپؐ رکوع میں ہوتے اور حضرت حسنؓ آتے تو آپؐ اپنی ٹانگیں پھیلا دیتے اور وہ ٹانگوں کے درمیان سے گزر کر دوسری طرف نکل جاتے۔ (اہلِ بیت الرسولؐ صفحہ 300)

یہ بچوں کے چھوٹے چھوٹے محبت بھرے کھیل ہیں جو وہ اپنے نانا، دادا کے ساتھ کھیلتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہمارے بزرگ ہم سے پیار کرتے ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے نانا جان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بہت سخی تھے ایک ہی وقت میں لاکھوں درہم غربا میں تقسیم فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپؓ نے ایک باغ چار لاکھ درہم میں خریدا بعد میں پتہ چلا کہ باغ کا مالک غریب ہو گیا ہے تو آپؓ نے وہ باغ مفت میں اس کو واپس کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسن نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا خدا تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے کہ خدایا! مجھے دس ہزار درہم عنایت فرما۔ آپ گھر واپس تشریف لائے اور اسے اتنی رقم بھجوا دی جس کے ملنے کی وہ دعا کر رہا تھا۔ (ابن عساکر جلد 4 صفحہ 214)

سامعین! آپؓ کا ضبط و تحمل بھی بے مثال تھا آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی۔ انتہائی غصہ کی حالت میں بھی کسی کے متعلق رَغِفَ اَنْفَہٗ (اس کی ناک خاک آلود ہو) سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ حضرت امام حسنؓ نے اسلام کے اعلیٰ اصولوں کی پاسداری آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی۔

اسی لیے صلح جوئی اور اتحاد امت کا باعث بنے تھے۔ قرآن مجید سے گہرا قلبی و روحانی تعلق تھا فقر و غنا، ایثار و قربانی، علم و فضل اور عدل و احسان زندگی کا معمول تھا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”امن کو قائم کرنے کا ایک ذریعہ احسان ہے اس کے متعلق بھی قرآن کریم میں حکم موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اٰل عمران:135) کہ مومن وہ ہیں جو غصے کو دباتے ہیں جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور پھر ان پر احسان بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح فرماتا ہے:اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۤءِ ذِی الْقُرْبٰى (النحل:91) کہ اللہ تعالیٰ عدل، احسان، ایتاء ذی القربیٰ کا حکم دیتا ہے۔ ان تینوں کی مثال میں مَیں ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں جو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے سنا اور جسے بعد میں مَیں نے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے ایک غلام کو کوئی برتن لانے کے لئے کہا۔ اتفاقاً وہ برتن اس نے بے احتیاطی سے اٹھایا اور وہ ٹوٹ گیا۔ وہ برتن کوئی اعلیٰ قسم کا تھا حضرت امام حسنؓ کو غصہ آیا۔ اس پر اس غلام نے یہی آیت پڑھ دی اور کہنے لگا وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اپنے غصہ کو دبالیں۔ حضرت امام حسنؓ نے فرمایا كَظَمْتُ الْغَيْظَ کہ میں نے اپنے غصے کو دبالیا۔ اس پر اس نے آیت کا اگلا حصہ پڑھ دیا اور کہنے لگا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ کہ مومنوں کو صرف یہی حکم نہیں کہ وہ اپنے غصہ کو دبائیں بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ وہ دوسروں کو معاف کیا کریں۔ حضرت امام حسن فرمانے لگے۔ عَفَوْتُ عَنْكَ جاؤ! میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اس پر وہ کہنے لگا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اس سے آگے یہ بھی حکم ہے کہ مومن احسان کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت محسنوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس پر حضرت امام حسنؓ نے فرمایا جاؤ! میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ گویا پہلے انہوں نے اپنے غصے کو دبایا پھر اپنے دل سے اسے معاف کر دیا اور پھر احسان یہ کیا کہ اسے آزاد کر دیا۔“ (سیر روحانی جلد اوّل صفحہ 157-158)

ایک مرتبہ ایک شخص جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا۔ مدینہ میں آیا۔ لیکن اس کے پاس زادراہ اور سواری نہ تھی۔ لوگوں نے اسے کہا کہ حضرت امام حسنؓ کے پاس جاؤ ان سے زیادہ فیاض کوئی نہیں۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپؓ نے اسے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا۔ کسی شخص نے کہا کہ آپ نے

ایسے شخص کے ساتھ حسنِ سلوک کیا ہے جو آپ کا اور آپ کے والد دونوں کا دشمن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا مَیں اپنی آبرو نہ بچاؤں۔ (ابن عساکر جلد4 صفحہ 214)

حضرت امام حسنؓ ایک دفعہ کھجوروں کے ایک باغ میں سے گزرے تو دیکھا کہ ایک حبشی غلام روٹی کھا رہا ہے۔ لیکن اس طرح کہ ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور دوسرا کتے کے آگے ڈال لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے آدھی روٹی کتے کو کھلا دی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کتے کو دھتکار کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ آپ نے اس کے آقا کا نام دریافت کیا اور اس سے فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں رہنا۔ وہ تو وہیں کام کرتا رہا اور آپ اس کے آقا کے پاس پہنچے اور باغ اور غلام دونوں چیزیں اس سے خرید کر واپس آئے۔ اور آکر غلام سے فرمایا کہ میں نے تمہیں معہ اس باغ کے تمہارے آقا سے خرید لیا ہے اور تمہیں آزاد کر کے یہ باغ تمہارے نام ہبہ کرتا ہوں۔ غلام نے یہ بات سنی تو کہا کہ آپ نے جس خدا کے لیے مجھے آزاد کیا ہے اسی کی راہ میں یہ باغ صدقہ کرتا ہوں۔ (ابن عساکر جلد4 صفحہ 214)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ذہین بھی تھے اور کسی سوال کو پوچھنے میں جھجکتے نہیں تھے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

”حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ سے ایک سوال کیا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے پھر سوال کیا کہ کیا آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے کہا تب تو آپ ایک رنگ میں شرک کے مرتکب ہوئے۔ شرک اسی کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت میں کسی اور کو شریک بنا لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا حسنؓ! میں شرک کا مرتکب نہیں ہوں۔ مَیں بیشک تجھ سے محبت کرتا ہوں لیکن جب تیری محبت خدا تعالیٰ کی محبت سے ٹکرا جائے تو میں فوراً اسے چھوڑ دوں گا۔“ (انوار العلوم جلد 21 صفحہ 623)

سامعین کرام! لڑائی جھگڑے ختم کرنے کے لئے اسلام کیا سوچ ہمیں دیتا ہے اور صحابہ کے کیا نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے درمیان کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ بھائیوں بھائیوں میں بعض دفعہ ناراضگی کی کوئی بات ہو جاتی ہے، بحث ہو جاتی ہے۔ حضرت امام حسن کی طبیعت بہت سلجھی ہوئی اور نرم تھی لیکن حضرت امام حسین کی طبیعت میں جوش پایا جاتا تھا۔

ان میں جو جھگڑا ہوا اس میں حضرت امام حسین کی طرف سے زیادہ سختی کی گئی لیکن حضرت امام حسن نے صبر سے کام لیا۔ اس جھگڑے کے وقت بعض اور صحابہ بھی موجود تھے۔ جب جھگڑا ختم ہو گیا تو دوسرے دن ایک شخص نے دیکھا کہ حضرت امام حسن جلدی جلدی کسی طرف جا رہے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت حسن کہنے لگے کہ مَیں حُسین سے معافی مانگنے چلا ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ آپ معافی مانگنے جا رہے ہیں۔ مَیں تو خود اس جھگڑے کے وقت موجود تھا اور میں جانتا ہوں کہ حسین نے آپ کے متعلق سختی سے کام لیا۔ پس یہ ان کا کام ہے کہ وہ آپ سے معافی مانگیں، نہ یہ کہ آپ ان سے معافی مانگنے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت حسن نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ مَیں اس لئے تو ان سے معافی مانگنے جا رہا ہوں کہ انہوں نے مجھ پر سختی کی تھی کیونکہ ایک صحابی نے مجھے سنایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ جب دو شخص آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں سے جو پہلے صلح کرتا ہے وہ جنت میں دوسرے سے پانچ سو سال پہلے داخل ہو گا۔ تو میرے دل میں یہ سن کر یہ خیال پیدا ہوا کہ کل میں نے حُسین سے برا بھلا سنا اور انہوں نے مجھ پر سختی کی۔ اب اگر حسین معافی مانگنے کے لئے میرے پاس پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے صلح کر لی تو میں تو دونوں جہان سے گیا کہ یہاں بھی مجھ پر سختی ہو گئی اور اگلے جہان میں بھی مَیں پیچھے رہا۔ چنانچہ مَیں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ مجھ پر جو سختی ہو گئی وہ تو ہو گئی اب مَیں اُن سے پہلے معافی مانگ لوں گا تاکہ اس کے بدلے میں مجھے جنت تو پانچ سو سال پہلے مل جائے۔

(ماخوذ از الفضل 23 مئی 1944ء صفحہ 4)

سامعین! آپؓ نہایت بردبار اور حلیم تھے۔ حضرت معاویہؓ سے صلح اس بات کا عملی ثبوت ہے۔ جو شخص آپ سے ایک بار مل لیتا تھا وہ ساری زندگی آپ سے دور نہیں ہوتا تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چاروں خلفائے راشدین کی خلافت کا زمانہ دیکھا اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ منتخب ہوئے۔ رمضان المبارک 40 ھجری میں کوفہ میں حضرت حسنؓ کی خلافت کی ابتداء ہوئی۔ چالیس ہزار لوگوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپؓ نے مستقبل کے حالات کا اندازہ کرتے ہوئے اسی وقت لوگوں کو بتا دیا کہ انہیں ہر حال میں حضرت حسنؓ کی اطاعت کرنی ہو گی۔ اگر وہ دشمن سے صلح کریں تو تمام لوگوں کو صلح کرنی

ہو گی اور اگر وہ جنگ کریں تو تمام لوگ ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گے۔ سب نے اس شرط کو قبول کیا۔ (مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 190)

لیکن حضرت حسنؓ نے 6 ماہ کے عرصے میں یہ محسوس کیا کہ اسلامی سلطنت انتشار کا شکار ہے تو ربیع الاول 41 ھجری میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح کر کے حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لیں۔ کیونکہ ان کا مقصد حکومت کرنا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی کرنا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”حضرت حسنؓ نے میری دانست میں بہت اچھا کام کیا کہ خلافت سے الگ ہو گئے۔ پہلے ہی ہزاروں خون ہو چکے تھے۔ انہوں نے پسند نہ کیا کہ اور خون ہوں۔ اس لئے معاویہ سے گزارہ لے لیا۔ چونکہ حضرت حسنؓ کے اس فعل سے شیعہ پر زد ہوتی ہے اس لئے امام حسنؓ پر پورے راضی نہیں ہوئے۔ ہم تو دونوں کے ثناخواں ہیں۔ اصلی بات یہ ہے کہ ہر شخص کے جدا جدا قویٰ معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسنؓ نے پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی بڑھے اور خون ہوں۔ انہوں نے امن پسندی کو مد نظر رکھا اور حضرت امام حسینؓ نے پسند نہ کیا کہ فاسق فاجر کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ اس سے دین میں خرابی ہوتی ہے۔ دونوں کی نیت نیک تھی۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔“ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 579-580)

حضرت امام حسنؓ نے دین اسلام کی سربلندی اور فتنہ و فساد کا خاتمہ کرنے کے لیے حکومت کو ٹھوکر مار کر وہ تاریخی صلح کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کا ذریعہ و وسیلہ بنے جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ ”میرا بیٹا حسنؓ سردار ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔“

(صحیح بخاری کتاب الصلح باب قول النبیؐ للحسن)

حضرت امام حسنؓ نے نو شادیاں کی تھیں جن سے ان کے آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں ہوئیں۔

(اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ 788)

بیک وقت چار ہی بیویاں آپؓ کے عقد میں رہیں جن سے آپؓ نے ہمیشہ حسنِ سلوک کیا۔

حضرت حسنؓ کو قیام مدینہ کے دوران کئی مرتبہ زہر دیا گیا لیکن آخری مرتبہ کے زہر نے آپؓ کی انتڑیاں کاٹ دیں۔ 40 دن اسی تکلیف میں گزرے۔ انتقال کے وقت آپ کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ نے جب زہر دینے والے کا نام پوچھا تو آپؓ نے فرمایا:

"اگر تو یہ وہی جس پر میرا گمان ہے تو اللہ تعالیٰ کی سزا زیادہ سخت ہے اور اگر وہ کوئی دوسرا ہے تو مجھے یہ پسند نہیں کہ کوئی بے گناہ میرے بدلہ میں قتل ہو۔" (استیعاب جزء 1 صفحہ 115)

آپؓ کی موت زہر کی وجہ سے ہوئی اس لیے آپ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ آپ کی شہادت ربیع الاول 49 ہجری میں ہوئی اس وقت آپؓ کی عمر مبارک 46 سال تھی۔ آپ کو اپنی والدہ کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ جب حضرت امام حسنؓ نے وفات پائی تو مروان بن الحکم جو کہ مدینہ کا گورنر تھا زار و قطار رونے لگا۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ اب تو کیوں روتا ہے جبکہ ان کی زندگی میں انھیں ستاتا رہا ہے۔ مروان نے کہا: جانتے بھی ہو میں اس شخص کے ساتھ ایسا کرتا تھا جو پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مَیں حضرت علیؓ اور اُن کے دونوں بیٹوں سے محبت کرتا ہوں اور جو اُن کا دشمن ہے مَیں اُس کا دشمن ہوں۔" (روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 358 ترجمہ از عربی سر الخلافۃ)

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچہءِ آل محمد است

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿24﴾ ﴿مشاہدات۔480﴾

سیرت و مناقب نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (حٰم السجدۃ:31)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے، پھر استقامت اختیار کی، ان پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت (کے ملنے) سے خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔

سَر دے کے ہی حسین بنے سَردارِ کُل بہشت
فرمان خوب ناناؐ کا ہے نبھایا حسینؑ نے
سَر دے کے ہی حسینؑ نے پایا بلند مقام
تاجِ رضائے یار ہے سجایا حسینؑ نے

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔"سیرت و مناقب نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی عرب میں چار مہینوں کو حرمت والے مہینے قرار دیا جاتا تھا اور مکہ کے مشرکین باوجود شرک کے اِن مہینوں کی عظمت و فضیلت کے قائل تھے۔ اسلام کے آغاز تک اِن مہینوں میں جہاد و قتال بھی منع تھا اور ساتھ ہی ان مہینوں میں عبادات و اتحاد کی خاص فضیلت رکھی گئی تھی جو کہ آج تک برقرار ہے۔ حج سے پہلے ایک مہینہ یعنی ذی القعدہ کو اِس لیے حرمت والا قرار دیا گیا تاکہ وہ اِس مہینے میں جنگ و جدال سے باز رہیں۔ ذی الحجہ کو اِس لیے حرمت والا مہینہ قرار دیا تاکہ وہ

مناسک حج ادا کر سکیں اور اِس کے بعد ماہ محرم کو اس لیے حرمت والا قرار دیا تاکہ امن و سکون سے اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ جائیں اور سال کے درمیان میں ماہ رجب کو اِس لیے حرمت والا قرار دیا تاکہ جزیرۃ العرب کے دور دراز کے علاقوں میں سے آکر اگر کوئی عمرہ کرنا چاہے تو اس سے فارغ ہو کر اپنے وطن بآسانی لوٹ جائے۔ اسلامی تاریخ میں محرم کا مہینہ اس لیے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ محرم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی عزیز نواسے حضرت امام حسینؓ اور دوسرے اہلِ بیت کو بے دردی سے شہید کیا گیا۔

سامعین! حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام کی وہ مشہور شخصیت ہیں جن کی یاد صدیاں گزرنے کے باوجود ہر سال تازہ ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی بھی المناک واقعہ پر اس قدر آنسو نہیں بہے ہوں گے جتنے آنسو اس واقعہ کی یاد میں بہائے گئے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لخت جگر تھے۔ آپؓ 3 شعبان 4 ہجری بمطابق 626ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ کو ریحانۃ النبی یعنی باغ نبوت کا پھول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم شبیہ ہونے کا فخر حاصل تھا یعنی حضرت امام حسینؓ کا جسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا تھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 6 صفحہ 150)

حضرت حسینؓ کی ولادت کی خبر سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے۔ بچے کو گود میں لیا، دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اپنی زبان مبارک بچے کے منہ میں ڈالی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس لعاب دہن حضرت حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی غذا بنا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا گیا۔ سر کے بال اتروائے گئے اور ان کے ہم وزن چاندی صدقہ دی گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ولادت کے بعد ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آپؓ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی، تحنیک (کھجور کو منہ سے باریک کرنا) کا عمل فرمایا، لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور برکت کی دعا

فرمائی، سر پر زعفرانی خوشبو مل کر ان کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا، ساتویں روز سر کے بال مونڈ کر ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کی، نام رکھا اور عقیقے میں دو مینڈھے ذبح کیے۔ ایک ران دایہ کو دی۔

(الدرالمستطاب بحوالہ الامام الحسینؓ (مترجم) صفحہ 22)

سامعین! حضرت حسینؓ کی پیدائش سے پہلے حضرت ام الفضل بنت حارثؓ نے رؤیا میں دیکھا کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میں نے ایک ناگوار اور بھیانک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا ناقابل بیان ہے۔ فرمایا بیان کرو، آخر ہے کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہایت مبارک خواب ہے۔ فاطمہؓ کے لڑکا پیدا ہو گا اور تم اسے گود میں لو گی۔

(مستدرك حاکم معرفۃ الصحابہ باب اول جلد 3 صفحہ 194 حدیث 4818)

حضرت اُمِّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور میں دروازہ پر نگرانی کر رہی تھی کہ حضرت حسینؓ رینگتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپؐ نے انہیں اپنے اوپر بٹھالیا۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ اچانک مَیں نے آنحضور صلی اللہ اکبر علیہ وسلم کے رونے کی آواز سنی تو آپؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! مجھے پتہ نہیں چلا کہ کب حسین اندر چلے گئے۔ آپؐ نے فرمایا ابھی میرے پاس جبرائیل آئے تھے تو حسین میرے پیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ یہ بچہ آپ کو بہت پیارا ہے؟ مَیں نے کہا ہاں!۔ جبرائیل نے کہا کہ آپ کی اُمّت اِسے شہید کر دے گی۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر صفحہ 194)

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپؓ انتہائی خوبصورت تھے، ذہانت و ذکاوت آپ کے چہرے سے جھلکتی تھی، قوت وشجاعت کے پیکر اور غیر معمولی خوبیوں کے مالک تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: لوگوں میں حسینؓ سے زیادہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت نہیں رکھتا تھا۔

(جامع ترمذی اَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ حدیث:3546)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس نواسے سے بے انتہا محبت تھی۔ یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔"

(سنن ترمذی کتاب المناقب عن رسول اللہؐ باب مَنَاقِبِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ یعنی حسنؓ اور حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

(جامع ترمذی ابواب المناقب باب مَنَاقِبُ اَبِيْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيّ حدیث 3538)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"یقیناً یہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو اس سے پہلے زمین پر نازل نہیں ہوا۔ آج اس نے اپنے ربّ سے مجھے سلام کرنے اور یہ خوشخبری دینے کے لیے زمین پر آنے کی اجازت چاہی کہ فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی اور حسنؓ اور حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔"

(جامع ترمذی ابواب المناقب باب مَنَاقِبُ اَبِيْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيّ حدیث 3551)

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا والی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حسن حُسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان پر ایک چادر ڈال کر کہا "اے اللہ! یہ لوگ میرے گھر والے ہیں، سو اِن کی ناپاکی دور کر اور انہیں اچھی طرح پاک کر دے۔"

(ترمذی ابواب المناقب۔ مناقب ابی محمد الحسن بن علی)

یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کی ایک دعوت میں نکلے دیکھا تو حسین رضی اللہ عنہ گلی میں کھیل رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے آگے نکل گئے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا لیے حسین رضی اللہ عنہ بچے تھے۔ ادھر ادھر بھاگنے لگے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہنسانے لگے یہاں تک کہ ان کو پکڑ لیا اور اپنا ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی کے نیچے اور

دوسرا سر پر رکھ کر بوسہ لیا اور فرمایا حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اللہ اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھے اور حسین نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ باب فی فضائل اصحاب رسول اللہؐ)[141]

یہ اسی محبت اور دلی لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کی ذرہ برابر تکلیف سے بے قرار ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؓ کے رونے کی آواز سنی تو اُن کی والدہ سے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

سامعین کرام! حضرت علی المرتضیٰؓ جو کہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے کی شہادت کے بعد 40ھ میں کوفہ کی جامع مسجد میں بیس ہزار سے زائد مسلمانوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ بعض امور میں نزاع پیدا ہوا اور خون خرابے سے بچنے کے لیے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور ان کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کر کے تمام صوبوں کے گورنروں اور عُمّال سے یہ عہد لیا کہ ان کی وفات کے بعد یزید عنانِ حکومت سنبھالے گا۔ جب 60ھ میں امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی تو یزید نے وصیت کے مطابق اقتدار سنبھال کر تمام مسلمانوں کے لیے عہد اطاعت اور وفاداری کا فرمان جاری کر دیا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے انتشار اور تفرقہ سے بچنے کے لیے یزید کی بیعت کر لی، مگر بعض صحابہ نے اس طریق کو ناپسند کیا اور یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ ان میں حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب مدینہ کے گورنر نے یزید کی بیعت پر اصرار کیا تو حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہ رجب 60ھ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ خاموشی سے مکہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس زمانے میں کوفہ ایسا شہر تھا جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقیدت مند بڑی تعداد میں موجود تھے۔ جب اہل کوفہ کو حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید کی بیعت نہ کرنے اور مدینہ سے مکہ ہجرت کرنے کا علم ہوا تو وہاں کے لوگوں نے حضرت امام حُسینؓ کے حق میں ایک قرارداد پاس کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم تمام اہل کوفہ آپ کو مکمل حمایت کا یقین دلاتے ہیں، یہاں تشریف لائیے۔ لاکھوں جاں نثار بیعت کریں گے۔ ہم فقط آپ کو عالم اسلام کا واحد خلیفہ دیکھنا چاہتے

ہیں اور آپ ہی اس کے مستحق ہیں۔ پھر اہالیانِ کوفہ کی طرف سے پے در پے خطوط بھجوانے کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں، ہم آپ کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کر لیں گے۔ حضرت امام حسینؓ کو کسی قسم کی امارت یا خلافت کی خواہش نہیں تھی اور نہ ہی وہ کسی قسم کے خون خرابے اور قتل و غارت میں ملوث ہونا چاہتے تھے لیکن یزید کی حکومت جو کہ خلافت کے نام پر ملوکیت اور جبر پر مبنی تھی اس کا حصہ نہیں بننا چاہتے تھے۔ ایسی صورتِ حال میں اہل کوفہ کی ہمدردی کی وجہ سے آپؓ کی طرف سے حضرت مسلم بن عقیلؓ کوفہ پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے آپ کا پُرتپاک استقبال کیا، حالات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؓ نے حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ آپ بے خوف کوفہ آ جائیں یہ لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ مسلم بن عقیلؓ کی طرف سے تسلی بخش جواب ملنے کے بعد حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل و عیال اور ساتھیوں سمیت کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ ذوالحج کا مہینہ تھا اور حج کے ایّام تھے۔ حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرہ ادا کیا اور 3، ذوالحج 60ھ کو رختِ سفر باندھا۔ 14، خواتین سمیت کل 72، افراد آپ کے ہم رکاب تھے۔

(تاریخ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، جلد ہشتم۔ واقعات امام حسینؓ)

سامعین! مسلم بن عقیلؓ کے کوفہ پہنچنے کے بعد اہل کوفہ کا جوش و خروش بہت بڑھ گیا تھا لیکن جب اس صورت حال کی خبر یزید تک پہنچی تو اس نے فوراً عبید اللہ بن زیاد بن ابو سفیان کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھجوایا اور حالات پر قابو پانے کی تلقین کی۔ اُس نے حضرت امام حسینؓ کے حامیوں اور مسلم بن عقیلؓ کو بھی گرفتار کر کے نہایت ظالمانہ طریق پر شہید کر دیا۔ شہر میں اس طرح خوف اور دہشت کی فضا پیدا کی گئی کہ عوام الناس اپنے ارادوں سے پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے اور کوفہ کی صورت حال یکسر بدل گئی۔ حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دورانِ سفر "ثعلبیہ" کے مقام پر پہنچے تو آپ کو مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی اطلاع ملی اور حالات کی سنگینی کا علم ہوا۔ لیکن یہ کارواں کوفہ کی جانب رواں دواں رہا۔ حضرت امام حسینؓ نے ایک جگہ رک کر اہل قافلہ سے خطاب فرمایا کہ "آپ لوگ جانتے ہیں کہ اہل کوفہ جو ہماری محبت کا دعویٰ کرتے تھے اب ہمارا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ اس لیے آپ میں سے بھی جو کوئی ہمیں چھوڑ کر جانا چاہے وہ جا سکتا ہے، اس پر کوئی الزام نہیں ہو گا۔" بہت سے لوگ یہاں آپؓ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جب یہ قافلہ اپنی نویں منزل

’’اشراف‘‘ پر اترا تو محرم الحرام کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ یہاں حُر بن یزید ایک ہزار سپاہیوں کے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا اور امام حُسین کے ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا اور کہا کہ مجھے حکم ہے کہ آپ کو واپس نہ جانے دوں۔

3ء ذوالحج 60ھ کو سفر کا آغاز کرنے والا یہ قافلہ ایک ماہ میں قریباً نو سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے 2ء محرم الحرام 61ھ کو کربلا کے میدان میں پہنچ گیا۔ 3ء محرم کو عمرو بن سعد کوفہ سے مزید چار ہزار فوج لے کر پہنچ گیا، جسے یہ حکم ملا تھا کہ امام حُسین اور ان کے ساتھیوں پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا جائے۔ چنانچہ پانی پر پہرا بٹھا دیا گیا اور ان مٹھی بھر افراد کا جینا دو بھر کرنے کے لیے ہزاروں کا لشکر ہمہ وقت تیار و مستعد رہنے لگا۔

نو محرّم کو عمرو بن سعد جنگ کا پیغام لے کر آیا۔ حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن سعد سے فرمایا۔ میرے لیے ایک رات کی مہلت طلب کرو۔ تاکہ میں یہ رات خدا کے حضور عبادت، تلاوتِ قرآن کریم، دعا اور استغفار میں گزار لوں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے مٹھی بھر جاں نثاروں کو جمع کر کے کہا کہ اگر وہ جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں لیکن کوئی بھی اُن کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ ہوا۔ ساتھیوں کا جواب سننے کے بعد آپؓ نے باقی رات بارگاہ ایزدی میں سر بسجود گریہ و زاری اور مولا کریم سے رازونیاز میں گزاری۔ اگلا روز یوم عاشور یعنی دس محرّم الحرام تھا۔ جنگ شروع ہوئی تو خاندان مقدس کے بھوکے پیاسے اور لمبے سفر کی تکان سے چُور نوجوان شیروں کی طرح لڑتے ایک ایک کر کے اپنے خون کا نذرانہ پیش کرتے رہے، یہاں تک کہ اہلِ بیت کے نونہالوں کی باری آگئی اور وہ بھی ایک ایک کر کے قربان ہو گئے۔ بالآخر حُسین ابن علیؓ باقی بچے، جو دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے اِدھر سے اُدھر نکل جاتے۔ آخر کار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبوب نواسے نے 61ء ہجری میں دس محرم کو عصر کے وقت کربلا کے میدان میں جرأت و بہادری کی تاریخ رقم کرتے ہوئے اٹھاون سال کی عمر میں شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے اور باطل کو وہ شکست فاش دی کہ رہتی دنیا تک جس کی نظیر نہیں مل سکتی، حق و صداقت کی وہ لازوال شمع روشن کی جو کفر و باطل کی گھٹاٹوپ ظلمتوں میں انسانیت کے لئے راہِ نجات اور چراغ راہِ منزل ہے۔

حضرت! امام حسینؓ کو شہید کرنے کے بعد کوفیوں نے خیموں کو لوٹنا شروع کر دیا حتیٰ کہ عورتوں کے سروں سے چادریں تک اتارنا شروع کر دیں۔ عمرو بن سعد نے منادی کی کہ کون کون اپنے گھوڑوں سے حضرت امام حسین کو پامال کرے گا؟ یہ سن کر دس سوار نکلے جنہوں نے اپنے گھوڑوں سے آپؓ کی نعش کو پامال کیا یہاں تک کہ آپ کے سینے اور پشت کو چُور چُور کر دیا۔ اس لڑائی میں حضرت امام حسینؓ کے جسم پر تیروں کے 45 زخم تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق تینتیس زخم نیزے کے اور تینتالیس زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے اور پھر ظلم کی یہ انتہا ہوئی کہ حضرت امام حسینؓ کا سر کاٹ کر، جسم سے علیحدہ کر کے اگلے روز عبید اللہ بن زیاد گورنر کوفہ کے پاس بھیجا گیا اور گورنر نے حضرت امام حسینؓ کا سر کوفہ میں نصب کر دیا۔ اس کے بعد زہر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس سر بھیج دیا گیا۔

(ماخوذ از تاریخ الطبری جلد 6 صفحہ 243 تا 250)

سامعین کرام! حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؓ کے تمام ساتھی اُس راہ پر گامزن تھے جو کامیابی کی راہ اور ابدی جنتوں کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔ آپؓ نے اس راہ میں جو بے انتہا دکھ اوراَن گنت تکلیفیں اُٹھائیں وہ اپنے نفس کی خاطر نہ تھیں بلکہ وہ چاہتے تھے کہ حق و صداقت کا بول بالا ہو اور دین متین اپنی اصل حالت میں نشوونما پائے۔ اسی لیے آپؓ نے کانٹوں کی راہ اختیار کی اور مصائب کے راستے کو چنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے... تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے“

(مجموعہ اشتہارات جلد 2 صفحہ 654 اشتہار تبلیغ الحق 8 اکتوبر 1905ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

"بعض لوگ پوچھ بیٹھا کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کیوں ناکام ہوئے اور یزید کیوں کامیاب ہوا۔ حالانکہ اگر غور کرتے تو یزید باوجود مال و دولت اور جاہ و حشم کے ناکام رہا اور حضرت امام حسینؓ باوجود شہادت کے کامیاب رہے۔ کیونکہ ان کا مقصد حکومت نہیں بلکہ حقوق العباد کی حفاظت تھا۔ تیرہ سو سال گزر چکے ہیں مگر وہ اصول جس کی تائید میں حضرت امام حسینؓ کھڑے ہوئے تھے یعنی انتخاب خلافت کا حق اہل ملک کو ہے۔ کوئی بیٹا اپنے باپ کے بعد بطور وراثت اس حق پر قابض نہیں ہو سکتا۔ آج بھی ویسا ہی مقدس ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا بلکہ ان کی شہادت نے اس حق کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے۔ پس کامیاب حضرت امام حسینؓ ہوئے نہ کہ یزید"

(الفضل 12 جولائی 1929ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ مہینہ یعنی محرّم کا مہینہ جس کے پہلے عشرے سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں آج سے چودہ سو سال پہلے دس تاریخ کو ظالموں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیارے کو شہید کیا تھا جس کی داستان سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان ظالموں کو یہ خیال نہ آیا کہ کس ہستی پر ہم تلوار اٹھانے جا رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ مَیں نے کہا جب ایمان مفقود ہو جائے تو پھر سب جذبات اور احساسات مٹ جاتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہی ختم ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا خوف ختم ہو جائے تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس بندے کا خدا تعالیٰ کی نظر میں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کیا مقام ہے؟ حضرت امام حسین کی شہادت کس طرح ہوئی اور اس کے بعد آپ کی نعشِ مبارک سے کیا سلوک کیا گیا؟.... آپ کی لاش کو کُچلا گیا۔ سر تن سے جدا کیا گیا۔ اس طرح لاش کی بے حرمتی شائد ہی کوئی خبیث ترین دشمن کسی دوسرے دشمن کی کر سکتا ہو، نہ کہ ایک کلمہ پڑھنے والا، اپنے آپ کو اس رسول سے منسوب کرنے والا جس نے انسانی قدروں کے قائم رکھنے کی اپنے ماننے والوں کو بڑی سختی سے تلقین فرمائی ہے۔ پس یقیناً اس عمل سے ایسا فعل کرنے والوں کی ہوس باطنی کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ لوگ دنیادار تھے اور اپنے مقاصد کے

حصول کے لئے تمام حدیں پھلانگ سکتے تھے اور انہوں نے پھلانگیں۔ دین سے اُن کا ذرہ بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔"

(خطبہ جمعہ 10 دسمبر 2010ء)

بوقتِ سجدہ شہادت کا پی لیا تھا جام
بھُلا سکے گی نہ امت بھی کربلا کی شام
شہید ہوکے یوں دائم رہے گا نامِ حسین
کہ اب بھی ابن علی کو پہنچ رہے ہیں سلام

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿25﴾ ﴿مشاہدات۔ 481﴾

اہلیان گلستان نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (الاحزاب:34)

ترجمہ: اے اہلِ بیت! یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی آلائش دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔

جان و دلم فدائے جمال محمد است
خاکم نثار کوچۂ آل محمد است

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔ اہلیان گلستان نبی صلی اللہ علیہ وسلم

خاکسار آج اپنی تقریر میں ان تمام بچوں کا ذکر کرنے کی کوشش کرے گا جن کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رہا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اولاد، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی وہ اولاد جو اُن کے سابقہ خاوندوں سے تھی اور بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ نگرانی رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نواسیاں اور اُن کی اولادیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئی سوائے ایک صاحبزادے ابراہیم کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُمِّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے سے تو عموماً تاریخ و سیرت کے علماء کا اتفاق ہے لیکن بیٹوں کی تعداد اور نام کے حوالے سے مختلف روایات ملتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بیٹے چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے تھے۔ مستند طور پر آپ کے بیٹوں کی تعداد چار بیان کی جاتی ہے۔ آپؐ کے سب سے پہلے بیٹے

جن کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف نہیں ان کا نام قاسم تھا اور انہی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم مشہور ہوئی۔ آپ کے یہ بیٹے صرف ڈیڑھ دو سال زندہ رہے۔

(سیرت حلبیہ جلد 3 صفحہ 404)

اس کے بعد آپ کے ہاں دو بیٹے طاہر اور طیب پیدا ہوئے، مگر یہ دونوں بھی زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے اور نبوت سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی۔

(سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 192)

ایک روایت کے مطابق صاحبزادہ عبد اللہ کو ہی طاہر اور طیب بھی کہا جاتا ہے جبکہ دوسری روایت کے مطابق صاحبزادہ طاہر اور صاحبزادہ طیب، صاحبزادہ عبد اللہ کے علاوہ تھے جو قبل از بعثت توام پیدا ہوئے۔ اسی طرح قبل از بعثت صاحبزادہ طیب اور صاحبزادہ مطیب کی توام ولادت اور ایک اور بچے عبد المناف کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طاہر کے ساتھ توام پیدا ہونے والے بیٹے کا نام مطہر تھا۔

(اہلِ بیت رسولؐ از حافظ مظفر احمد صفحہ 37)

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کی سب سے پہلی اولاد تھے۔ مکہ میں ولادت ہوئی اور وہیں انتقال ہوا۔ صاحبزادہ قاسمؓ کی وفات پر حضرت خدیجہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا ہی عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! قاسم کے ایام رضاعت بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے تھے اگر اللہ تعالیٰ اسے چند دن اور مہلت دے دیتا تو اس کی رضاعت کی مدت مکمل ہو جاتی تو کیا ہی اچھا ہوتا ہم چند دن اور بچے کے ساتھ گزار لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قاسم کی رضاعت جنت میں پوری ہوگی"۔ حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اگر اس بات کا یقین ہو جائے تو میرے لیے قاسم کا غم سہارنا آسان ہو جائے گا۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر آپ چاہیں تو مَیں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہیں اس کی آواز سنا دے تا کہ یہ یقین ہو جائے کہ اس کی رضاعت کی تکمیل جنت میں ہو رہی ہے"۔ حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں اللہ اور اُس کے رسول کی بات کو سچا مانتی ہوں اور اس کی تصدیق کرتی ہوں"

(سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلاۃ علی ابن رسول اللہؐ)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ اعلانِ نبوت سے دس سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت تیس برس تھی۔ یہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئی تھیں اور جنگِ بدر کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بلا لیا تھا اور یہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ اعلانِ نبوت سے قبل ہی انکی شادی ان کے خالہ زاد ابو العاص بن ربیع سے ہو گئی تھی۔ جب حضرت زینبؓ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئیں تو کفار قریش نے ان کا راستہ روکا یہاں تک کہ ایک بدنصیب ظالم ہبار بن الاسود نے ان کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا جس کے صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ میری بیٹیوں میں اس اعتبار سے بہت زیادہ فضیلت والی ہیں کہ میری جانب ہجرت کرنے میں اتنی بڑی مصیبت اٹھائی۔ اس کے بعد ابو العاص مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے آئے اور حضرت زینبؓ کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد میں ایک لڑکا جس کا نام علی اور ایک لڑکی حضرت امامہ تھیں۔

حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کی دوسری بیٹی تھیں اور حضرت زینبؓ سے تین سال چھوٹی تھیں۔ یہ اعلان نبوت سے سات برس پہلے پیدا ہوئیں جبکہ حضور کی عمر تینتیس سال تھی۔ ابتدائے اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ پہلے ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا لیکن ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورہ لہب نازل ہو گئی۔ ابو لہب قرآن میں اپنی اس دائمی رسوائی کا بیان سن کر غصہ میں آگ بگولا ہو گیا اور اپنے بیٹے عتبہ کو مجبور کر دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو طلاق دے دے۔ چنانچہ عتبہ نے طلاق دے دی۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ نکاح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر حبشہ سے مکہ واپس آکر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور یہ میاں بیوی دونوں صاحب الہجرتین (دو ہجرتوں والے) کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ جنگِ بدر کے دنوں

میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار تھیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو جنگِ بدر میں شریک ہونے سے روک دیا اور حکم دیا کہ وہ حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کریں۔ حضرت زید بن حارثہؓ جس دن جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح مبین کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے اسی دن حضرت رقیہؓ کی وفات ہوگئی۔ حضرت عثمانؓ سے آپؓ کے ایک فرزند بھی پیدا ہوئے تھے جن کا نام عبد اللہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ ابو عبد اللہ کہلاتے تھے۔ ان کی عمر دو سال کی تھی جب ایک مرغ نے ان کے چہرے پر چونچ مار کر اُن کا چہرہ زخمی کر دیا اور زخم ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے وہ انتقال کر گئے۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 8 صفحہ 36)

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزدی تھیں۔ یہ پہلے ابو لہب کے بیٹے عتیبہ کے نکاح میں تھیں لیکن ابو لہب کے مجبور کر دینے سے بدنصیب عتیبہ نے ان کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت رقیہؓ جو کہ اُن کی بہن تھیں کی وفات کے بعد ربیع الاول 3 ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیا۔ حضرت ام کلثومؓ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ شعبان 9 ہجری میں حضرت ام کلثومؓ نے وفات پائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ آپؓ کا نام فاطمہ اور لقب زہرا اور بتول تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی پیدائش بعثتِ نبویؐ سے پانچ سال قبل 20 جمادی الآخر میں اُس زمانہ میں ہوئی جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر نَو میں مصروف تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں اور اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔ حضرت علیؓ سے شادی کے بعد حضرت فاطمہؓ صرف نو برس زندہ رہیں۔ اس نو برس میں شادی کے دوسرے سال حضرت امام حسنؓ پیدا ہوئے اور تیسرے سال حضرت امام حسینؓ۔ پھر غالباً پانچویں سال حضرت زینبؓ اور ساتویں سال حضرت اُمِّ کلثومؓ۔ (اہل بیت رسول از حافظ مظفر احمد صفحہ 286)

آپؓ کے تیسرے صاحبزادے حضرت محسنؓ تو بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ہیں۔ آپ 8 ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابورافع نے حاضر ہو کر بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی۔ اس بشارت پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع کو ایک غلام عنایت فرمایا۔ ساتویں روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا عقیقہ کیا ایک مینڈھا ذبح کروایا۔ سر منڈوا کر بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر جزء 3 صفحہ 236)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم نام رکھا۔ حضرت ابراہیمؓ نے تقریباً 18 ماہ کی عمر پائی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

سامعین کرام! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہؓ کی اپنے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ سے دو بیٹے سلمہؓ اور عمر اور دو بیٹیاں دُرّہ اور زینب تھیں۔ حضرت سلمہؓ کے بیوہ ہونے کے بعد جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا تو حضرت اُم سلمہؓ نے کہا کہ میں ایک عیالدار عورت ہوں، میرے ساتھ چار بچے ہیں حضورؐ جیسی شخصیت سے عقد کر کے کہیں مَیں اُن کے لیے پریشانی کا ہی باعث نہ بن جاؤں اور میرا کوئی اس وقت بالغ ولی بھی نہیں۔ اس کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو تسلی دی کہ جہاں تک تمہاری عیالداری کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول تمہارے بچوں کی کفالت کے ذمہ دار ہیں اور ولی کے طور پر تمہارا کم سن بیٹا بھی کافی ہے۔

(مسند احمد جلد 6 صفحہ 320)

اس طرح حضرت اُم سلمہؓ کے نکاح کے وقت آپؓ کے چھوٹے بیٹے آپؓ کے ولی بنے۔

(سنن النسائی کتاب النکاح)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد ان بچوں کی پرورش آپؓ ہی کے گھر میں ہوئی۔ آپؐ نے ان کے لیے دعائیں بھی کیں اور ہر طرح سے خیال رکھا حتّٰی کہ کھانے پینے کے آداب بھی سکھائے۔ بڑے بیٹے سلمہؓ کا رشتہ خود اپنے چچا زاد حضرت حمزہؓ کی بیٹی امامہ سے طے کیا۔ بعد میں سلمہ کی ذہنی معذوری کی وجہ سے یہ شادی نہ ہو سکی اور ان کی جگہ چھوٹے بھائی عمر بن سلمہؓ کے ساتھ یہ شادی طے پائی۔

(مسند احمد جلد 6 صفحہ 320)

حضرت ام سلمہؓ کی ایک بیٹی زینب تھیں جن کا نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بِرَّہ سے بدل کر زینب رکھا تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت اُمِ حبیبہؓ کی اپنے پہلے خاوند حضرت عبید اللہ بن جحش سے ایک بیٹی حبیبہ تھی جو حبشہ ہجرت کے بعد پیدا ہوئی اور اسی وجہ سے آپؓ کی کنیت اُمّ حبیبہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ بنت محمدؐ کی اولاد میں سے تین بچوں کا ذکر ملتا ہے جو کہ کم عمری میں ہی وفات پا گئے تھے۔ ان کے علاوہ آپؓ کی ایک بیٹی حضرت امامہؓ کی شادی حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے ہوئی تھی اور اُن کی وفات کے بعد حضرت مغیرہؓ سے اُن کا نکاح ہوا تھا۔

(طبقات الکبریٰ جلد 8 صفحہ 233)

حضرت ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا ہوا تھا۔ جب آپؐ سجدے میں جاتے تو اُس کو نیچے بٹھادیتے اور جب کھڑے ہوتے تو دوبارہ گود میں اٹھالیتے۔

(بخاری کتاب الصلاۃ باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ)

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجاشی بادشاہ کی طرف سے کچھ زیورات بطور تحفہ آئے تو اس میں ایک انگوٹھی بھی شامل تھی جس میں لگا نگینہ حبشہ کا تھا آپؐ نے امامہؓ کو بلایا اور فرمایا بیٹی! اس کو پہن لو۔

(ابوداؤد کتاب الخاتم باب ماجاء فی الذھب للنساء)

حضرت زینبؓ کے ایک بیٹے علی کی رضاعت بنی غاضرہ کے قبیلے میں ہوئی لیکن بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی نگرانی میں لے لیا تھا جبکہ ابو العاص اس وقت مکہ میں حالت شرک میں ہی تھے۔

(الاصابہ جلد 4 صفحہ 570)

ان کی وفات پر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ صحابہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ آپؐ نے فرمایا یہ محبت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کی ہے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب قول النبیؐ یعذب المیت)

سامعین! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ سے آنحضور صلی اللہ کو بے انتہا محبت تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ کے بارے میں فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے اس سے تو بھی محبت فرما۔ یہ بات فرما کر آپؐ نے حضرت حسنؓ کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا۔

(بخاری کتاب اللباس)

حضرت امام حسنؓ نے کئی شادیاں کی تھیں جن سے آپؓ کے آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں ہوئیں جن میں زید بن حسن، ام الحسن، ام الحسین، حسن بن حسن، عمرو بن الحسن، قاسم، عبد اللہ، عبد الرحمٰن، حسین بن الحسن، طلحہ، فاطمہ، ام عبد اللہ، فاطمہ، ام سلمہ، رقیہ۔

(اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ 788)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسینؓ سے بھی بے انتہا محبت تھی۔ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ کم سن حضرت حسینؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اُن پر پڑی تو منبر سے اتر آئے اور انہیں اٹھا کر گلے لگا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بچوں کے لیے اکثر یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تُو بھی اِن سے محبت کر۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل باب مناقب الحن و الحسین)

حضرت امام حسینؓ نے بھی متعدد شادیاں کیں جن میں سے آپؓ کے آٹھ بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں جن کے نام یہ ہیں۔ علی بن حسین الاکبر، علی بن الحسین امام زین العابدین، علی بن الحسین الاصغر، جعفر بن حسین، عبد اللہ، سکینہ، فاطمہ، زینب۔ حضرت امام حسین کے تمام بیٹے میدان کربلا میں شہید ہوئے سوائے حضرت زین العابدین کے۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ 799)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)